دکنی میں طنز و مزاح حمایت اللہ کے حوالے سے

مقالہ برائے

ایم۔ فل۔ اُردو

۲۰۰۲ء

مقالہ نگار

رفعت انساء

ایم۔اے

نگران۔ ڈاکٹر حبیب نثار

لکچرار شعبہ اُردو

شعبہ اُردو

اسکول آف ہیومانیٹیز

سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد ۵۰۰۰۴۶

محمد حمایت اللہ

فہرست ۔

پہلا قہقہہ (پیش لفظ) ”کیا ہے کی کیا ئیں کی“ ۴

باب اول : دکن میں مزاحیہ شاعری ۶
(ابتدا سے ۱۹۵۰ تک)

باب دوم : حمایت اللہ سوانح اور شخصیت ۴۸
آباواجداد، پیدائش، تعلیم، اساتذہ، تجارت، شادی،
کردار، دلچسپیاں، دوست واحباب

باب سوم : طنز ومزاح اور حمایت اللہ ۷۴
چھوٹے نواب، ڈرامے، ٹی وی سیریلس، فائن آرٹس اکیڈمی،
زندہ دلان حیدرآباد، شاعری کا آغاز، مشاعروں میں شرکت،
بیرونی ممالک کا سفر

باب چہارم : حمایت اللہ بحیثیت شاعر ۱۰۴
شاعری کا تجزیہ، موضوعات، زبان، انداز پیش کش

باب پنجم : دکنی طنز ومزاح کے فروغ میں حمایت اللہ کا حصہ ۱۸۷
انکا مقام (اختتامیہ)

کتابیات

پہلا قہقہہ (پیش لفظ) ”کیا ہے کی کیا نئیں کی“

الحمدللہ میرا ایم فل کا مقالہ مکمل ہوا — اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھ ناچیز سے اس نے کتاب لکھوائی —

حیدرآباد سنٹرل یونی ورسٹی کے شعبہ اردو سے ایم اے کی تکمیل کے بعد خواہش ہوئی کہ ایم فل کی ڈگری حاصل کی جائے والدین نے اجازت دیدی اور میرے زندگی کے ہم سفر نے بھی اس خواہش پر لبیک کہا۔ ایم فل میں کسی موضوع پر مقالہ لکھنا ہوتا ہے چنانچہ ابتدا میں مجھے "حیات اللہ انصاری بحیثیت ناول نگار" موضوع تفویض کیا گیا میں نے دو ماہ مقدور بھر کوشش کی کہ مجھے حیات اللہ انصاری کے تمام ناول دستیاب ہو جائے۔ فراہمی مواد میں جب ناگفتہ بہ مشکلات ہونے لگی تو میں نے اپنے صدر شعبہ اردو پروفیسر رحمت یوسف زئی سے تمام سرگزشت کہہ سنائی۔ انہوں نے اپنے ساتھی اساتذہ سے مشورہ کرتے ہوئے ڈاکٹر حبیب نثار کے تجویز کردہ موضوع "محمد حمایت اللہ شخصیت اور فن" کو پسند فرمایا۔ لیکن موضوع میں مناسب تبدیلی فرمائی اور موضوع قرار پایا۔

محمد حمایت اللہ بیسویں صدی میں دکنی طنز و مزاح کا ایک اہم نام ہے وہ ایک اچھے شاعر ہیں دکنی میں طنز و مزاح کے وسیلے سے شعر کہتے ہیں۔ انہوں نے یقیناً سینکڑوں نہیں لاکھوں شعر کہے لیکن محفوظ نہ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کا تاحال ایک ہی مجموعہ "دھن رُی" شائع ہوا ہے جس میں دیوان غالب کی طرح بمشکل ایک ہزار شعر ہوں گے — یہ مجموعہ بھی ڈاکٹر سید موسوی کی کدوکاوش کا نتیجہ ہے۔ محمد حمایت اللہ کا یہ مختصر مجموعہ حیدرآباد میں دکنی زبان کے تسلسل کی ایک اہم کڑی ہے۔

حمایت اللہ کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے حیدرآباد میں طنز و مزاح کے فروغ کی غرض سے اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ہمراہ "فائن آرٹس اکیڈیمی" اور "زندہ دلانِ حیدرآباد" کی بنیاد رکھی۔ حمایت اللہ کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے زندہ دلانِ حیدرآباد کے کلام کی اشاعت و تشہیر کی غرض سے شائع ہونے والے رسالے "شگوفہ" کی سرپرستی کی رہنمائی و رہبری فرمائی۔

دکن میں ان اداروں نے بالخصوص طنز و مزاح اور بالعموم فنونِ لطیفہ کے فروغ میں اہم ترین حصہ ادا کیا ہے۔ حیدرآباد میں فنونِ لطیفہ کی اگر کوئی تاریخ لکھی جائے گی (بیسویں صدی میں) تو ان اداروں کی خدمات کے ذکر کے بغیر ادھوری تصور ہوگی۔

"دکنی میں طنز و مزاح محمد حمایت اللہ کے حوالے سے" — اس موضوع پر مقالہ لکھتے

ہوئے موضوع کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول کا عنوان "دکن میں مزاحیہ شاعری" ہے۔ اس باب میں دکنی شاعری کی ابتداء سے ۱۹۵۰ء تک دکنی شاعری میں ملنے والے طنز و مزاح کے نقوش کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ باب دوم کا عنوان "حمایت اللہ سوانح اور شخصیت" ہے۔ اس باب میں دکنی طنز و مزاحیہ شاعر کے "قطب مینار" کی سوانح مختصر لیکن جامع انداز میں بیان کی گئی ہے اور اسی کے ساتھ ان کی شخصیت کے نمایاں گوشوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

باب سوم "طنز و مزاح اور حمایت اللہ" سے تعلق رکھتا ہے۔ اس باب میں حمایت اللہ کے فن کی مختلف جہات کا احاطہ کرنے کی سعی کی گئی ہے اور اس سلسلے میں ان کے ادا کیے گئے معروف و مشہور کردار "چھوٹے نواب" پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے اداکاری کی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے حمایت اللہ کی خدمات کا بیان کیا گیا ہے

باب چہارم "حمایت اللہ بحیثیت شاعر" ہے۔ اس باب میں حمایت اللہ کے مجموعہ کلام "دھن دڑی" کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ باب پنجم میں دکنی طنز و مزاح کے فروغ میں حمایت اللہ کا حصہ۔ ان کا مقام بیان کیا گیا ہے۔ یہی اس مقالے کا اختتام ہے۔ آخر میں مقالے کی تیاری میں معاون بنیادی ماخذ اور امدادی تصانیف کی کتابیات درج کی گئی ہے۔

ریسرچ کے لیے مقالہ لکھنا کسی ایک طالب علم یا ریسرچ اسکالر کی تنہا محنت اور کاوش سے عبارت نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی مقالہ دوست و احباب کے علمی تعاون، اساتذہ کی علمی سرپرستی اور اہل خاندان کی انسان دوستی کے بغیر لکھنا، شاید ممکن نہیں۔ مجھے بھی اپنے دوستوں اور ساتھیوں اپنے اساتذہ اور اپنے اہل خاندان کا تعاون ہمیشہ حاصل رہا۔ ان تمام کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض بنتا ہے۔

سب سے پہلے اپنے مشفق استاد پروفیسر رحمت یوسف زئی شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد کی تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے مجھے زندہ دلان حیدرآباد کی معروف شخصیت محمد حمایت اللہ پر ریسرچ کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود نہ صرف محمد حمایت اللہ سے میرا شخصی تعارف کروایا بلکہ میں نے جب بھی اس موضوع سے متعلق ان کی رائے طلب کی انھوں نے نہایت ہی مشفقانہ اور محبت آمیز انداز میں اپنے نادر مشوروں سے نوازا۔ اللہ رب العزت انھیں سعادتِ دارین نصیب فرمائے۔

میں اپنے مخلص و مشفق استاد محترم پروفیسر انوارالدین کی صمیم قلب سے شکرگذار ہوں کہ انھوں نے میرے ریسرچ کے عنوان پر نہ صرف مسرت کا اظہار کیا بلکہ مفید مشوروں سے سرفراز کرتے ہوئے میری ہمت افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ میرے استاد محترم کو ہمیشہ اجر عظیم عطا فرمائے۔

میرے دیگر اساتذہِ کرام ڈاکٹر میر محبوب حسین صاحب اور ڈاکٹر نسیم رئیس صاحب کی بھی تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انھوں نے مواد کی فراہمی میں بروقت میری مدد عطا فرمائی آخر میں اپنے استاد محترم جناب ڈاکٹر حبیب نثار صاحب مدظلہ العالی کی دل کی گہرائیوں اور قلب کی پہنائیوں سے ممنون و مشکور ہوں میری خوش نصیبی کہ مجھ احقر کو انھوں نے اپنی رہبری و رہنمائی میں ریسرچ کروانا قبول کیا جو کہ ابتدا ہی سے میری خواہش رہی ۔ میں اپنے شفیق استاد کے تئیں اپنے جذبات و احساسات کو لفظوں کے پیراہن میں ڈھالنے سے قاصر ہوں ۔ ان کی عظمت و قابلیت، وسیع النظری، اور وسیع مطالعہ کی تہہ دل سے معترف ہوں ۔ اس احقر نے بھی اپنے استاد کی ان صفاتِ عالیہ سے مقدور بھر استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے ۔ بفضل تعالیٰ میں نے اپنے عزت مآب استاد و رہنما کی پدرانہ شفقت و محبت آمیز سلوک کے سائے تلے اپنا کام مکمل کیا ۔ اللہ جل شانہ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے ۔

میں یونیورسٹی کے اپنے ساتھیوں میں انیس فاطمہ، مسرت حنا، تہنیت جبین، سعیدہ بیگم، کی مشکور ہوں کہ ہمیشہ دوست اور ساتھی ہونے کا حق ادا کیا ۔ میں شعبہ اردو کے آفس اسسٹنٹ بصارت النساء اور یونیورسٹی لائبریری کے ارباب مجاز کی بھی شکر گزار ہوں کہ ان احباب نے ہمیشہ مجھ سے تعاون کیا ۔

میں اپنے والدین کی احسان مند ہوں جنھوں نے مجھے صغر سنی سے آج تک

اپنے پدرانہ شفقت کے سائے تلے پروان چڑھایا اور دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ آج میں مقام پر بھی ہوں خدائے عزوجل کے فضل کے ساتھ اپنے والدین کرام کی شفقتوں اور عنایتوں کا ثمرہ ہوں۔

سب سے آخر میں، میں اپنے برادر محترم بھابھی صاحبہ اور بہنوں کی بھی شکرگذار ہوں اور اپنے شریک حیات سید باسط علی اور ننھے معصوم فرشتے سید سفیان علی کے ان کے تعاون نے مجھے گھریلو مصروفیت سے مبرّا کر دیا کہ جنہوں نے ہر کام پر نہایت ہی صبر و تحمل کے ساتھ تعاون کیا شکرگذار اور احسانمند ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو علم نافع اور اخلاق حسنہ عطا فرمائے۔

(آمین یارب العالمین)

باب اول

دکن میں مزاحیہ شاعری

(ابتدا سے ۱۹۵۰ تک)

ہندوستان کے جنوبی علاقہ کو جو نربدا پہاڑی سلسلہ کے بعد شروع ہوتا ہے دکھشن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے دکھشن سنسکرت لفظ ہے جسکے معنی جنوب کے ہیں امتدادِ زمانے کے ساتھ یہ علاقہ دکھن پھر دکن کہلانے لگا اس کے برخلاف لفظ دکن کی وجہ تسمیہ کے بارے میں محمد قاسم فرشتہ اپنی کتاب "نورس نامہ" یا "تاریخ فرشتہ" میں لکھتا ہے،

"یہ دراصل ہند بن سام بن نوح کے بیٹے کا نام تھا نوح کے بیٹے سام اور سام کے بیٹے ہند کی مناسبت سے ہندوستان کا قدیم نام ہند اور ہند کے بیٹے دکن کی مناسبت سے جنوبی ہند کا علاقہ دکن کہلانے لگا" [1]

محمد قاسم فرشتہ کے اس بیان کی تائید میں تاریخ ہماری رہنمائی نہیں کرتی یقیناً سام کے بیٹے کا نام ہند تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسی مناسبت سے ہند کا نام ہندوستان مروج ہوا ہو لیکن تاریخ ہمیں یہ بات حتمی طور پر بتانے سے قاصر ہے کہ سام اور اس کا بیٹا ہندوستان آئے تھے۔ شیث علیہ السلام کے بارے میں البتہ یہ روایت ملتی ہے کہ وہ ہندوستان تشریف لائے تھے۔

---

[1] محمد قاسم فرشتہ "تاریخ فرشتہ" جلد اول مترجمہ عبد الحی سنہ اشاعت ۱۹۸۳ء

اردو ہند آریائی خاندان السنہ سے تعلق رکھتی ہے جبکہ دکن میں بولی جانے والی زبانیں دراوڑی ہیں یعنی تلگو، تامل، ملیالم، کنڑ ــــ السنہ کے اس اختلاف کے باوجود دکنی نے ہندوستان کی اس جنوبی سرزمین پر اپنی نشوونما اور ارتقاء کو جاری رکھا۔

اردو زبان جدید ہند آریائی زبان کی ایک شاخ ہے دکنی اردو زبان کا قدیم روپ ہے اس زبان نے دوسری زبانوں اور بولیوں کا اثر قبول کر کے اپنی ایک الگ پہچان بنائی اس زبان پر دوسری زبانوں کے اثرات اور اسکے معاصر زبانوں کے بارے میں پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں :-

"دکنی قدیم اردو کا روپ ہے ۔ ۔ ۔ یہ زبان بھی جدید ہند آریائی زبان کی ایک شاخ ہے اور اسکا آغاز بھی جدید ہند آریائی زبانوں پنجابی، سندھی، مغربی ہندی، راجستھانی گجراتی، مراٹھی، اڑیا، بنگالی اور آسامی کے ساتھ ساتھ ہوا لیکن نشوونما کے اعتبار سے یہ اودھی کی معاصر ہے دکنی کا سارا سرمایہ ہند آریائی ماخذوں پر مبنی ہے"۔ ۱؎

دکنی اور اردو کا لسانی تجزیہ کرتے ہوئے پروفیسر گیان چند جین لکھتے ہیں :-

"اردو کو مخلوط زبان کہا جاتا ہے جو لسانی اعتبار سے صحیح نہیں ہے دکنی اسکی ایسی بولی ہے جس نے دخیل الفاظ کے علاوہ قواعد کے اصولوں میں بھی پڑوس کی زبان سے اخذو استفادہ کیا ہے" ۲؎

قدیم اردو کے دکن میں تیزی سے پھیلنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ نہ صرف حکمرانوں کی زبان تھی بلکہ

۱؎ پروفیسر عبدالقادر سروری "دکنی زبان" مضمون مشمولہ "دکنی اردو" مرتب عبدالستار دہلوی سنہ ۱۹۸۲ء صفحہ ۲۴۹

۲؎ پروفیسر گیان چند جین "دکنی کے لسانی رشتے" مضمون مشمولہ "دکنی اردو" " "

یہ عوامی زبان بھی تھی دکنی زبان کی علمی وادبی حیثیت کا تعین کرتے ہوئے پروفیسر مسعود حسین خاں لکھتے ہیں۔

"قدیم اردو کے دکن میں تیزی سے پھیلنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ حکمرانوں کی زبان ہونے کے علاوہ جنوبی ہند کی زنگارنگ گولیوں کے درمیان لنگوا فرنکا کا حکم رکھتی تھی چنانچہ حکمران طبقہ کی تمدنی ضروریات کے تحت یہ پہلے خانقاہ پھر دربار میں علمی وادبی زبان کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے" ۵۱

دکنی زبان نے اپنے آپ کو زندہ رکھنے اور دوسری زبانوں کے مقابل آنے کیلئے نہ صرف مقامی زبانوں کے الفاظ کو اپنایا بلکہ اس زبان نے مقامی زبانوں کے محاورے بھی قبول کئے اور صرفی ونحوی خصوصیات کو بھی اپنایا اس طرح دوسری زبانوں سے ہل مل کر اس نے اپنا ایک الگ مقام بنا لیا دکنی زبان کی اہمیت اور اسکی اردو زبان وادب میں ترقی کے اسباب کے متعلق عبدالستار دلوی لکھتے ہیں۔

"دکنی اردو زبان کی ترقی کی ان اہم منزلوں میں سے ہے جسے اردو زبان وادب کا کوئی مورخ نظر انداز نہیں کر سکتا اردو کی تشکیلی دور کے نمونوں میں دکنی کی اہمیت یوں بھی زیادہ ہو جاتی ہے کہ اس سے اردو زبان اور اسکی اہمیت ورفتار کے خطوط ابھرتے ہیں اور اسکے پیش نظر اردو کی قدامت کا تعین ہوتا ہے دلی اور نواح دلی کے اردو جنم بھومی ہونے کے باوجود اردو نے اپنی شکل وصورت دکن میں بنائی اور ادب پیدا کیا" ۵۲

---

۵۱ پروفیسر مسعود حسین خاں "قدیم وجدید اردو کی کشمکش" مضمون مشمولہ دکنی اردو صفحہ ۴۶۵

۵۲ ڈاکٹر عبدالستار دلوی "دکنی اردو پر مراٹھی کے اثرات" " " صفحہ ۴۲۳

اردو میں دکنی ادب کے قابل قدر کارنامے کا بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں

"اردو زبان نے سرزمین دکن میں اپنے ارتقا کے دوران جو قابل قدر کارنامے انجام دیئے ہیں اردو ادب کی تاریخ میں ان کی حیثیت ایک شاندار اور روشن باب کی ہے دکنی اردو ادب کی تاریخ مکمل صدیوں پر محیط ہے" [1]

دکنی ادب کے فروغ میں سیاسی حالات نے بڑا اہم حصہ ادا کیا ہے تغلق سلاطین سے برأت حاصل کرنے کے بعد جب حسن گنگو بہمنی نے بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی تو اس نے اپنی علیحدہ شناخت کو اولین ترجیح دی ترکی و فارسی دہلی سلطنت کی مروجہ زبانیں تھی۔ دفتری کام بھی انھیں زبانوں میں انجام دیا جاتا تھا بہمنی سلاطین نے دفتری فرائض کے لئے فارسی و ترکی کو اپنایا لیکن رابطے کی زبان کے طور پر عوامی بولی کو اپناتے ہوئے اردو کے قدیم روپ کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچایا بہمنی سلطنت کے آخری زمانے ہی میں فخر دین نظامی نے "کدم راؤ پدم راؤ" لکھی۔ میرانجی شمس العشاق کی تصانیف بھی بہمنی سلطنت کے آخری آثار میں شمار ہوتے ہیں۔

بہمنی سلطنت کے زوال پر دکن میں پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں وجود میں آئی جن میں قطب شاہی سلطنت اور عادل شاہی سلطنت میں اردو کا نشو و نما بڑی تیزی سے عمل میں آیا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۶۸۵ء اور ۱۶۸۶ء میں عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنت کو مغلیہ مملکت میں شامل کر لیا اور اس طرح دکن کی علاقائی خصوصیت کا خاتمہ ہوا اور اب دکن ہندوستان کی مرکزی حکومت کا حصہ بن گیا جسکا اثر دکنی زبان اور ادب پر بھی ہوا۔

اردو کا پہلا کلیات سنہ ۱۰۲۰ھ تا سنہ ۱۰۳۵ھ کے درمیان مرتب ہوا محمد قطب شاہ نے اپنے چچا محمد قلی قطب شاہ

---

[1] مرزا خلیل احمد بیگ "دکنی اردو کے اسلوبیاتی مطالعہ کی اہمیت" " " صفحہ ۴۳

سے تمام کلام کو نہ صرف یکجا کیا بلکہ کلیات مرتب کیا اور حاشیہ پر اپنے خیالات بھی قلمبند کئے۔

دکنی میں طنز کا عنصر ابتدائی زمانے سے ملتا ہے البتہ مزاح کا عنصر دکنی کی ابتدائی عہد میں خال خال نظر آتا ہے ذیل میں دکنی کی بعض اہم تخلیقات میں موجود طنز و مزاح کے اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

برہان الدین جانمؒ ارشاد نامہ سنہ ۹۹۰ھ میں لکھا اس میں ایک نظم سکھ سہیلہ کے نام سے ملتی ہے یہ نظم دراصل شہر آشوب ہے جس میں جانم نے اپنے عہد کے پجاری اور پنڈتوں اور ذاکر و ملا کے طرح طرح کے روپ انوپ اختیار کرنے پر طنز کیا ہے یہ نظم اردو ادب میں اس اعتبار سے اولین حیثیت رکھتی ہے کہ طنز کا بھرپور عنصر پہلی مرتبہ سامنے آیا۔ نظم کے صرف دو بند ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

لوچپ مونڈت جٹا دھاری کیس نکھاں جو ریچہ
کانو مندرا گھال پھریں گے لیویں جبھو اکھینچہ
انتر اندری نہ من کی ماریں بیٹھیں انکھیاں میچہ
لوکا یہ مت کچھ الادھی جن بوجہ بجھتوں لادھی

ذاکر ہوکر دم چلاویں تسبیح کے کر ہات
دل کے منکے ناہیں پھیرے تب لگ خالی بات
ننداکیری آسا ماریں سییں جاگیں رات
لوکا یہ مت کچھ الادھی جن بوجہ بجھتوں لادھی ؎۱

؎۱ برہان الدین جانم "ارشاد نامہ" مرتبہ اکبر الدین صدیقی صفحہ ۷۲

اسکے برخلاف مشتاق نے اپنے ایک شعر میں خود اپنی ذات کو طنز کا نشانہ بنایا شعر میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ محبوب کے گال کو دیکھنے کی تاب نہیں یہی وجہ ہے کہ جب میں اس کے گال کی صفائی پر نظر ڈالتا ہوں تو نظر سو جگہ ٹکراتی ہے سچ ہے مکھی کی یہ بساط نہیں کہ وہ سورج تک پرواز کرے شعر ملاحظہ ہو ۔

صفا اس گال کوں دیکھت نظر سو جا گا گر پڑتی

مکھی کے پر میں کاں طاقت سورج لک جا گزرا آویں

اس شعر میں مشتاق نے اپنی ذات کو طنز کا نشانہ بنایا طنز کا ایک پہلو اور ملاحظہ ہو ملا وجہی "قطب مشتری" میں غواصی کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ ۔

اگر غوطے لک برس غواص کھاے

تو یک گوہر اس دھات امولک نہ پاے

لو موتی نہیں وو جو غواص پائیں

لو موتی نہیں وو جو کس ہات آئیں

تو اصاں کتے غوطے کھا کھاے کم

موے ہیں سو اس سمد میں آئے کم

اپے ہوکر لیانا سو ہے جھوٹ سب

خدا غیب تے دیوے تو کیا عجب [1]

---

[1] ملا وجہی "قطب مشتری" مرتبہ ڈاکٹر حمیرہ جلیلی ۱۹۹۲ء صفحہ ۱۲۰

ملا وجہی کے ان اشعار میں بہت ممکن ہے طنز کی وہ نشتریت پڑھنے والوں کو نہ ملے لیکن جس لہجے میں وجہی نے اپنے فن کی بڑائی کی تعلی کی ہے اس میں طنز کا عنصر بھی بین السطور شامل ہے ورنہ وہ یہ نہیں کہتا ۔

لو موتی نئیں وو جو غواص پائیں
لو موتی نین وو جو کسی بات آئیں

ملا نصرتی کا تعلق عادل شاہی سلطنت سے تھا اس نے علی عادل شاہ اور مغلوں کے درمیان ہونے والی لڑائیوں کا رزم نامہ "علی نامہ" کے نام سے لکھا ہے بیجاپور پر مغلوں کے حملے کا بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے

دکھن ہور مغلان کے درمیان
وطن دہر کہستاں میں تھا ادہناں
بھریا تھا سب اس ذات میں مکر و ریو
دسے آدمی روپ پن نسل دیو
دکھاوے تو ٹک اپنی تلبیس کوں
لگے ورد لاحول ابلیس کوں [۵۱]

نصرتی دکنی تھا دکن سے اسے محبت تھی وہ اپنے بادشاہ کو جگت استاد قرار دیتا ہے چنانچہ وطن سے اپنی محبت کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ دکن پر حملہ کرنے والے مغلوں کو "دیو کی نسل" سے قرار دیتا تھا ۔

نصرتی کی دو رجائیاں ملاحظہ ہوں جس میں طنز کی کڑواہٹ تو نہیں مزاح کی چاشنی ضرور ہے ۔

---

۵۱ نصرتی "علی نامہ" صفحہ ۹۶

نادان سو نصیحت کے بچن بول نکو
پانی منے کھارے توں شکر گھول نکو
کیا قدر گوہر کی بوجھے گا بد گوہر
دھنگر کے انگے مانک کا گھر مول نکو

* * *

واجب نہیں پر دھن کوں دیکھت ہونا مور
تس پر توں بڑا دھیٹ ہونا کرنا شور
ہنستا ہوں میں اس بات پو ہے قصہ وہی
جوں مال پرائے کے بدل مرتا چور [۱]

نصرتی کی طرح میراں ہاشمی کا تعلق بھی بیجاپور سے تھا اسکے کلیات میں طنزی حسیت پر مشتمل اشعار ملتے ہیں جس میں اس نے اپنے عہد کے انتشار، سماج میں موجود مکروفریب کا بیان کیا ہے یہاں صرف ایک شعر درج کیا جاتا ہے۔

تجھ حسن کے بازار میں ہوئیگا اسی کوں لاب کچھ
خرچے گا جیو کا نقد ہور سودا کرے ہر پھیر کا [۲]

مقیمی کا تعلق بھی بیجاپور سے تھا اس نے مثنوی "چندربدن مہیار" لکھی ہے مثنوی میں جب مہیار مندر میں چندربدن سے اظہار عشق کرتا ہے تو وہ بڑے حقارت سے کہتی ہے۔

۱۔ "دکنی رباعیاں" از سیدہ جعفر سنہ ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۲۹ ، صفحہ ۱۳۱

۲۔ "دیوان ہاشمی" مرتبہ ڈاکٹر حفیظ قتیل سنہ ۱۹۶۱ء صفحہ ۲

ہندو میں کہاں ہور ترک توں کہاں

کہاں رام سیتا ئرک   توں کہاں

کہاں میں چندرماں کہاں توں دیوا

کتا کیا موٹے توں دیوانہ ہوا ۱؎

ان اشعار میں چندر بدن کا خود کو سیتا کی مانند قرار دینا اور اپنے حسن پر اتراتے ہوئے اپنے آپ کو "چندر ماں" سے تشبیہ دینا خوبصورت تعلّی سہی لیکن جب وہ مہیار جیسے حسین نوجوان کو "دیو" قرار دیتی ہے تو ان اشعار کے بین السطور پوشیدہ طنز سامنے آتا ہے۔

قدیم دکنی ادب کی یہ چند مثالیں ہمیں اس جانب متوجہ کرتی ہے کہ دکنی شعرا کے کلام میں طنز و مزاح کا عنصر ابتدا ہی سے موجود تھا کبھی عصری حسیت پر انھوں نے طنز کیا ہے تو کہیں اپنی ذات کو طنز کا نشانہ بنایا ہے تو کہیں مخالف کو بُرا بھلا کہہ کر یا انسان کے بجائے دیو کی نسل بتاتے ہوئے اپنے دل کا بخار نکالا ہے قدیم دکنی سے ایک اور رباعی یہاں پیش کی جاتی ہیں اسکے خالق ہیں خواص خاں ۲؎ رباعی ملاحظہ ہو۔

یارب تو ابس دہیاں سو دکھ دھن سوں غنی

ناماں رہوے ہات میں نا ملک دھنی

اس دور میں دیکھے ہمن کوں صاحب جاہ

عاجز ہو گورے گھر پھرے روٹی کوں غنی ۲؎

۱؎ مقیمی چندر بدن و مہیار صفحہ ۸۹

۲؎ دکنی رباعیات از ڈاکٹر سید جعفر ۱۹۹۲ء صفحہ ۱۳۹

اس رباعی میں خواص خاں نے زمانے کے ناسازگار حالات کا بیان کیا ہے جس میں یہ طنز چھپا ہوا ہے کہ درویش اور فقیر (اس دور میں دیکھیے جن کوں صاحب جاہ) صبر و سکون سے ہیں اور جو زمانے کے غنی ہیں وہ عاجز و گھر گھر روٹی مانگتے پھر رہے ہیں۔

خواص خاں کا عہد قطب شاہی سلطنت کا آخری زمانہ ہے اسطرح دکنی شاعری میں طنز و مزاح کی یہ روایت عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کے ختم ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک خاموش ہو جاتی ہے لیکن زمانہ کے تھپیڑے کھانے کے بعد جب سامنے آتی ہے تو طنز پر مزاح کا پہلو حاوی ہو جاتا ہے اور باضابطہ مزاحیہ کلام موضوع ہونے لگتا ہے چنانچہ دکن میں غلام حسین، افسق پہلے معلوم مزاحیہ شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں

افسق سنجیدہ کلام بھی کہتے تھے اور مزاحیہ کلام بھی۔ سنجیدہ کلام میں وہ اپنا تخلص ہدایتؔ اختیار کرتے تھے

ایک ہجو کے چند شعر ملاحظہ ہو:۔

دن کو کھایا نہ بہت ہوئی یہ چوک
بے طرح سے لگے ہے اب تو بھوک
بولا سودے کو میں اگر جاؤں
اور جو بنیا نہ ہو تو پھر آؤں
اس سے بہتر ہے تم سنو یہ بات
اس طرح سستی کا تو رات

فاقہ اختیاری کا ہے ثواب

بے شکم پروری کا سخت عذاب

غلام حسین کا تعلق میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے زمانے سے ہے اسی زمانے کا ایک شاعر حکیم محمد کبیر انصاری ملتے ہیں جنکا ذکر لچھمی نارائن شفیق نے اپنے تذکرہ "چمنستان شعرا" میں کیا ہے عید رمضان پر نظم لکھتے ہوئے اپنے فاقے کا بیان اسطرح کرتے ہیں :-

" زاہد سے بہت عید کو ہم شرمائے

اس قحط میں رمضان مبارک آئے

ناچار اور کچھ میسر نہ ہوا

بھر پیٹ بہت سے ہم نے روزے کھائے "[۱]

حکیم محمد کبیر نے ان اشعار میں زاہد کی خبر لی ہے انھوں نے واعظ پر بھی ایک نظم لکھی ہے اس نظم میں مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں

" واعظ کی باتوں سے میں ہوں گمراہ

استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ

آتا ہے وہ بت کیا سچ بتائے

اللہ ، اللہ ، اللہ "[۲]

۱؎ لچھمی نارائن شفیق "چمنستان شعرا" صفحہ ——

۲؎ ڈاکٹر رفیق صلاح مضمون مشمولہ رسالہ سب رس صفحہ ——

آصف جاہ اول اور مملکتِ آصفیہ میں مختصر عرصہ کے لئے خانہ جنگی برپا ہوئی اور ناصر جنگ کی شہادت واقع ہوئی آصف جاہ ثانی نے اپنا دار الحکومت اورنگ آباد سے حیدرآباد منتقل کیا۔ اورنگ آبادی کی شاعری کی بنا پر اردو شاعری کی جو کہکشاں اورنگ آباد میں سجی تھی اب حیدرآباد منتقل ہوگئی حیدرآباد میں بہت جلد امن وامان کا ماحول ہوگیا اور شاعری کا چرچہ ہونے لگا۔ مزاحیہ شاعری اس وقت پروان چڑھتی ہے جب معاشرہ منتشر ہو زوال پذیر ہو۔ آصف جاہ ثانی سے عہد عثمانی تک حیدرآباد تہذیبی، ثقافتی، سطح پر بام عروج پر تھا۔ بہت ممکن ہے کہ اس درمیان بعض شعراء نے مزاح کو وسیلۂ اظہار بنایا ہو۔ لیکن داستانِ ادب حیدرآباد میں مزاحیہ شاعری کی کوئی روشن مثال نہیں ملتی۔ اور اگر کوئی مثال ملتی ہے تو ۱۹۱۸ء کے بعد۔

خاندان آصفیہ کے ساتویں حکمراں نواب میر عثمان علی خان کا دور اس لحاظ سے زرین کہا جا سکتا ہے کہ انھیں کے دور میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اسی زمانے میں ہندوستان کے تمثیلی اسٹیج پر فلمی صنعت کا آفتاب طلوع ہو چکا تھا اور ڈرامہ کا چاند غروب ہونے کو تھا۔ ایسے میں جامعہ عثمانیہ سے فارغ التحصیل چند طلبا نے جن میں قابل ذکر نام اکبر وفاقانی کا ہے انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک ادارہ بزم تمثیل کی بنا ڈالی۔ جس کا مقصد حیدرآباد میں ڈرامہ کو فروغ دینا تھا۔ اس بزم میں کئے گئے ڈراموں میں مالن بھولن، کشمکش وغیرہ بے حد پسند کئے گئے اور مقبول عام وخاص ہوئے۔ اس بزم کے ڈرامہ نگاروں میں اکبر وفاقانی، عزیز احمد، مرزا ظفر الحسن وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں ان ڈراموں میں حصہ لینے والے اداکار زیادہ تر جامعہ عثمانیہ کے گریجویٹس ہوا کرتے تھے۔ ان میں خصوصاً مرزا اشکور بیگ ظفر مرزا، عبدالرب، سرافت اللہ، فضل الرحمن (کمرشیل آرٹسٹ) شہریار کاؤس جی، محمود مرزا رضوی علی صاحب میاں، اعجاز حسین کھنا اور نذیر دہقانی وغیرہ کے ہیں۔ کچھ عرصہ مقبول ہونے کے بعد یہ

بزم آہستہ آہستہ ماند پڑتی گئی ؎۱

عین اسی زمانے میں جب کے بزم تمثیل اپنے عروج پر تھی حیدرآباد کے چند بے باک نوجوانوں نے ایک اور بزم کی بنیاد رکھی۔ اس بزم کو تشکیل دینے والے جملہ چار فرد تھے چنانچہ اسی مناسبت سے اس بزم کا نام نال گو برادران رکھا گیا۔

نالگو تلگو لفظ ہے جسکے معنٰی ہیں چار اور برادران فارسی لفظ ہے جس کے معنی بھائی کے ہیں۔ تلگو اور انگریزی الفاظ کا یہ مرکب جب بزم کا نام قرار پایا تو اس نے اپنے پروگراموں کے ذریعے حیدرآباد کی تہذیبی دنیا میں اسم با مسمیٰ کی حیثیت اختیار کرلی اس بزم نے یہ ندرت بھی پیدا کی کے عوامی اسٹیج کے بجائے گویلو محفلوں کو لالہ زار بنائے رکھا۔

دروغ برگردن راوی ـــ کہتے ہیں کہ نالگو برادران کی تشکیل میں اہم رول جناب سید معزالدین ملتانی صاحب نے ادا کیا تھا چنانچہ جناب جہاندار افسر صاحب نے یہ انکشاف کیا کہ اس بزم زندہ دلان کو "نالگو برادران" کا نام عطا کرنے کا اعزاز بھی جناب معزالدین ملتانی ہی کے سر جاتا ہے۔

نالگو برادران میں شامل ارکان کے اسمائے گرامی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

معزالدین ملتانی کے فرزند جناب سید منظورالدین سعید نے ان چار بھائیوں کے نام

؎۱ محمد سعادت علی خاں۔ "حیدرآباد میں اردو ڈرامے کی روایت" مضمون مشمولہ شگوفہ ڈرامہ نمبر (صفحہ ۲۵)

حسب ذیل بتائے ۔

عبدالرحمٰن بڑے بھائی، شمس الدین نواب منجھلے بھائی، معزالدین ملتانی سنجھلے بھائی اور جعفر حسین خاں چھوٹے بھائی ۔ صاحب موصوف نے یہ اہم اطلاع دی کہ نالگو برادران میں زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوتی رہی ہے ۔ چنانچہ انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ شمس الدین صاحب کے انتقال کے بعد قیوم صاحب اور جعفر حسین خاں کے انتقال کے بعد امجد صدیقی اجد نے ان کی جگہ لے لی تھی ۔[۵۱]

جناب مظفر الدین سعید صاحب کی اطلاع کے تناظر میں ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ نالگو برادران میں وقتاً فوقتاً تبدیلی ہوتی ہے ۔

حیدرآباد کے معروف صحافی جہاندار افسر کا کہنا ہے کہ اس بزم میں محمد عثمان عبدالرحمٰن، معزالدین ملتانی اور بھگوان داؤ آنکھ شامل تھے۔[۵۲] ان ناموں کے مشہور مصور سعادت علی خاں (حیدرآباد کے مشہور مصور) کے مطابق اس بزم میں شامل چار ارکان حسب ذیل ہیں "عبدالرحمٰن" "معزالدین ملتانی" "محمد عثمان" اور "فریدالدین گردہ"[۵۳]

سعادت علی خاں نے اپنے مضمون میں بھگوان داؤ آنکھ کا بھی ذکر کیا ہے ۔ لیکن انھیں وہ برادران میں شامل نہیں کرتے بلکہ برادران کے پیش کئے گئے خاکوں میں اداکاری کرنے والے فنکار قرار دیا ہے ۔

---

۵۱ سید مظفر الدین سعید سے شخصی انٹرویو ۔ بمقام معظم جاہی مارکٹ بتاریخ ۱۵ اپریل ۲۰۰۲ء
۵۲ جہاندار افسر سے شخصی انٹرویو بمقام مغل پورہ کمان بتاریخ ۲۰ اپریل ۲۰۰۲ء
۵۳ سعادت علی خاں ، " شگوفہ ڈرامہ نمبر صفحہ ۳۲۶

نالگو برادران کا تعارف کرواتے ہوئے بشیرالنساء بیگم لکھتی ہیں :—

"پولیس ایکشن سے پہلے جب معزالدین ملتانی پروپگنڈہ

ڈیپارٹمنٹ سے منسلک تھے تو ایک انجمن "نالگو برادران"

کے نام سے بنائی گئی تھی اسکے ارکان عبدالرحمٰن بڑے بھائی۔

جعفر حسین خان منجھلے بھائی، معزالدین ملتانی سنجھلے بھائی اور

قیوم صاحب چھوٹے بھائی تھے۔" لے

بشیرالنساء بیگم نے نالگو برادران کے وہی نام درج کئے ہیں جن کی نشاندہی جناب سید مظفرالدین

سعید نے کی ہے۔

ڈاکٹر نسیم الدین فریس نے اپنے ایک مضمون میں نالگو برادران کی بزم بننے کے

اسباب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان برادران کے ناموں کی نشاندہی بھی فرماتے ہے۔

قریبی ماضی میں حیدرآباد کے عوام مختلف سماجیوں تبدیلیوں

اور انقلابات کے نتیجے میں قنوطیت اور مایوسی کا شکار ہو

چکے تھے ۔۔۔۔ مایوسی اور گھٹن سے بھرے اس زمانے میں اس

سرزمین کی خاک سے چار فنکار اٹھے جنھوں نے اپنی ظرافت

اور زندہ دلی کے ذریعے شکست خوردگی، رنج وملال، خوف وخطر

لے بشیرالنساء بیگم "معزالدین ملتانی شخصیت اور فن" صفحہ ۶۵ مقالہ برائے ایم فل۔ غیر مطبوعہ
شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی — حیدرآباد
مارچ ۱۹۹۰ء

> اور پژمردگی کے اندھیروں میں طنز و مزاح کی پھلجھڑیاں اور قہقہوں کی آتشبازی چھوڑتی یہ چار فنکار تھے۔ عبدالرحمٰن سید اعجاز حسین کھٹا، علی صاحب میاں اور فرید الدین گردہ مزاح نگار کی یہ ٹولی عام طور پر نالگو برادران کے نام سے مشہور تھی۔" [1]

ان تمام اسناد کی یہ روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابتداً اس بزم میں معزالدین ملتانی عبدالرحمٰن، محمد عثمان اور بھگوان داؤ اکنکو شامل تھے اور بعد میں رفتہ رفتہ کسی ایک فنکار کے بچھڑنے پر دوسرے فنکار نے اس جگہ کو پر کیا — اس طرح نالگو برادران میں حسب ذیل اصحاب شامل تھے عبدالرحمٰن، محمد عثمان، سید معزالدین ملتانی، بھگوان داؤ اکنکو، فرید الدین گردہ، سید اعجاز حسین کھٹا علی صاحب میاں، شمس الدین، جعفر حسین خان، مقیوم نذیر دہقانی، اور بالا پرشاد گوڑ۔

نالگو برادران میں ٹیم میں شامل افراد ہرفن مولا تھے یہ افراد تعلیم یافتہ اور انتہائی ذہین تھے۔ زندہ دلی اور بزلہ سنجی ان کے رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ان لوگوں کی شریر طبیعت کا ایک چھوٹا سا واقعہ بشیر انصاری[2] نے درج کیا ہے۔ ایک دفعہ عبدالرحمٰن بڑے بھائی فجر کی نماز کے بعد چار مینار پولیس اسٹیشن کے پاس سے گذر رہے تھے اس دور میں یہ قانون رائج تھا کہ ہر سائیکل سوار رات کے وقت قندیل لگا کر سفر کرے گا۔ عبدالرحمٰن صاحب کو اسٹیشن کے قریب

---

[1] ڈاکٹر منیم فریس "نالگو برادران" مضمون غیر مطبوعہ

شرارت سوجھی اور پولیس والوں کو متوجہ کرنے کے لئے پکارنا شروع کیا پولیس والے او پولیس والے بھائی، ان کی آوازوں کو سن کر ایک پولیس کانسٹیبل باہر آیا اور پوچھا کہ کیا ہے تو عبد الرحمٰن نے انتہائی معصومیت کے ساتھ اس سے پوچھا کہ میری سائیکل پر قندیل نہیں ہے میں ٹھہروں کے جاؤں چونکہ پولیس والے نانگو برادران سے بخوبی واقف تھے جسکی وجہ سے ان کی اس شرارت کے خوب چرچے ہوئے۔ لہ

لہ بشیر النساء بیگم ، ، صفحہ ۶۶

حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی سرزمین پر ۱۸۷۶ء میں دکنی شاعری کا جو سلسلہ منقطع ہوا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں اردو کی پہلی جامعہ عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے بعد دوبارہ اپنی پوری توانائی اور آب و تاب کے ساتھ شروع ہوا۔ جامعہ عثمانیہ میں اردو ذریعہ تعلیم تھا۔ فطرتاً" ہونا یہ چاہیئے تھا کہ یہاں کے تعلیم یافتہ اصحاب فصیح اردو میں اپنے شعر گوئی کے فن کو ظاہر کرتے بہتا سارے شعراء نے ایسا کیا بھی اور عام اردو میں اپنے فن کا اظہار کیا۔ لیکن جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد جو خوش آئند اور حیرت انگیز عنصر سامنے آیا وہ دکنی شاعری کا احیاء تھا۔

بیسوی صدی میں دکنی شاعری کی ابتدائی نقوش ہمیں "رحیم صاحب میاں" کے یہاں ملتے ہیں۔ رحیم صاحب میاں کے وطن "ضلع دوبیڑ" داورنگ آباد) سے تھا ان کے والد محمد حفیظ الدین پیشہ کے اعتبار سے ڈاکٹر تھے رحیم صاحب میاں نے منشی فاضل کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد حیدرآباد آئے۔ اور وزارت داخلہ (ہوم سیکریٹری) میں ملازمت اختیار کی حیدرآباد آنے کے بعد انہوں نے شعر کہنا شروع کیا۔ اصلی نام عبدالرحیم تھا۔ لیکن تخلص رحیم صاحب میاں اختیار کر دیا۔ ابتداء میں سنجیدہ کلام کہا کرتے تھے چونکہ طبیعت شوق اور شگفتہ پائی تھی اسی کے ساتھ ذہین اور حاضر جواب بھی واقع ہوئے تھے۔ سنجیدہ شاعری کو چھوڑ کر مزاحیہ شاعری اختیار کی۔ حیدرآباد آنے کے بعد ان کے تعلقات بیشتر روؤساء وزراء سے بہت اچھے ہو گئے۔

> عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ اور اردو ذریعۂ تعلیم بن چکی تھی۔ ایسی فضا میں دیہاتی یا بگڑی زبان میں رحیم صاب میاں نے مزاحیہ شاعری کی پہل کی لیکن رحیم صاب میاں کی شاعری کا مقصد ہنسنے ہنسانے سے آگے نہ بڑھ سکا۔ رحیم صاب میاں نے دراصل صوتی شاعری کی صدا بندی کی تھی۔ شیر و ببر کی آواز سے لیکر تیتر بٹر کی آواز تک کو انہوں نے اپنی شاعری میں ڈھال لیا۔ ایک آدھ نظم میں ان کے پاس اخلاقی قدروں کی جھلکیاں نظر آتی ہیں لیکن شاذ و نادر۔ ۵۱

معز الدین ملتانی کے اس اقتباس سے دکنی شاعری کی روایت کے ایک اہم عنصر پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ معز الدین ملتانی کا کہنا ہے کہ رحیم صاب میاں نے الفاظ کی "**صوت**" کو اشعار میں برتا ہے۔ قدیم دکنی شاعری میں ہمیں کئی شعراء کے پاس یہ عنصر ملتا ہے۔ غواصی کے یہاں "طوطی نامہ" [۵۲] میں حسن شوقی کے یہاں "میزبانی نامہ" [۵۳] میں حتی کہ نصرتی کے یہاں "علی نامہ" [۵۴] میں جنگ کے موقع پر ہتھیار کے ٹکرانے سے بلند ہونے والی آواز کی **صوت** کا بیان بھی ملتا ہے۔ یہاں صرف ایک اقتباس درج کیا جا تا ہے۔

---

۵۱ معز الدین ملتانی مقدمہ گھوکرو کے کانٹے صفحہ ۱۲

۵۲ غواصی "طوطی نامہ" ۵۳ حسن شوقی "میزبانی نامہ"

۵۴ ملا نصرتی "علی نامہ"

"پھول بن"[۵۱] میں ابن نشاطی نے موسیقی کے سازوں سے نکلنے والی آواز کی صدا بندی کی ہے ملاحظہ ہو۔

کریا تھا شاہ بزم آراستہ خوب
کھڑے تھے ساقیاں دوراستہ خوب
تھے بیٹھے مطرباں کر ساز و ساماں
چھپے سو کھولتے نغمے کے رازاں
رباباں بجتے تھے تن تن تنا تن
طنبورے بولتے تھن تھن تھنا تھن
برتے تھے حقیقت کھولتے سب
ہے توں توں ہی توں توں ہی توں
دفاں ہور دائراں سوں جلا جل
کتی تھی تھل تھلا تھل تھل تھلا تھل
مغنیاں بیٹھ کر اول درد داں
لگے گانے کوں مستی کے سروداں۔

یہ بات دلچسپ ہے کہ رحیم صاحب میاں نے نہ صرف دکنی میں شاعری کا احیا کیا بلکہ

---

۵۱ ابن نشاطی "پھول بن"

حروف کی صدا بندی کرتے ہوئے قدیم دکنی شاعری سے اپنے کلام کا رشتہ منسلک کیا۔ ذیل میں رحیم صاحب میاں کے دو شعر درج کئے جاتے ہیں:—

لڑکے اسکول کو جا کر چھٹی بارہ بجے پا کر
گھومنے لڑتے ہیں گھما گھم، دے دھنا دھن کی دھنا دھن

ماہِ شعبان کے پٹاخے وہ پٹاخے وہ دھواں سے
تارہ منڈل کی وہ سرسر اور رایم دے دھنا دھن کی دھنا دھن۔

بیسویں صدی میں دکنی شاعری میں مزاحیہ عنصر کو شامل کرنے کے سلسلے میں نذیر الدین احمد لکھتے ہیں:—

اس زمانے میں وہ واحد شاعر تھے جنہوں نے دیہاتی شاعری کو بطورِ فن کے اختیار کیا اور بڑی شہرت پائی۔ اصناف شاعری میں انہوں نے باقاعدہ ایک اور صنف کا اضافہ کیا۔ یعنی صوتی شاعری جانوروں کی آوازیں، پرندوں کی بولیاں، ہوائی جہاز، ریل موٹر اور دیگر سواریوں کے چلنے کی آوازیں بیانڈ باجے کی دھنا دھن پٹاخوں کی پھٹا پھٹ، غرض ہر قسم کی آوازوں کو اس خوبصورتی اور کمال فن سے شعر میں سمویا کہ نقل اور اصل میں کوئی فرق۔

معلوم نہ ہوتا تھا ۵۱

فن کی معراج یہ بتائی گئی ہے کہ وہ نقل نہ رہتے ہوئے اصل بن جائے۔ اور بقول نذیرالدین احمد رحیم صاحب میاں نے نقل اور اصل کو ایک کر دیا تھا۔ یہ ان کی فنی مہارت کا کمال ہے۔ لیکن جب ہم رحیم صاحب میاں کے زمانے کی شعری روایات کے تناظر میں ان کی اس دکنی کلام کے بارے میں ہم عصر نقادوں کے بارے میں جب یہ رائے پڑھتے ہیں کہ دیہاتی زبان میں شاعری، بدمزاقی اور گنوارپن' سے تعبیر کی جاتی تھی تو حیرت ہوتی ہے کہ دکنی شاعری کے بارے میں اس رائے کا اظہار یقیناً ان نقادوں نے کیا ہوگا جو دکنی ادب کے چار سو سالہ قدیم روایت سے بالکل ہی واقف نہیں تھے۔ رحیم صاحب میاں کے فن کی کامیابی کی دلیل یہ ہے کہ ان کے کلام سے متاثر[۵۲] ہوکر "نذیر دہقانی" نے اپنا سنجیدہ کلام کو پس پشت ڈال کر قدیم دکنی دہقانی زبان میں شعر کہنا شروع کیا۔ نذیر دہقانی کو خود بھی یہ احساس تھا قدیم دکنی میں شاعری کرنا اپنا مذاق آپ اڑانے کے مترادف ہوگا اسکے باوجود انھوں نے دکنی میں شاعری کی لکھتے ہیں :—

میرے عہد میں اس زبان میں شعر کہنا ایک جسارت
تھی۔ بدمذاقی تھی۔ گنوارپن تھا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ
دل بہلائی کا مشغلہ یا ہنسنے ہنسانے کی بات بن گئی۔ ۵۲

نذیر دہقانی ۱۹۰۸ء میں جنگاؤں میں پیدا ہوئے آبائی پیشہ زراعت تھا شاند

---

۵۱ نذیرالدین احمد: "دکنی ادب کے چار مینار میں ایک اور اضافہ" مضمون مشمولا روزنامہ سیاست صفحہ ۹۲

۵۲ نذیر دہقانی۔ "میں اور میری شاعری کے ثمرات" مضمون مشمولا ماہنامہ شگوفہ جون ۱۹۷۳ء

یہی وجہ ہے کہ دہقانی زبان پر خاصہ عبور تھا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم بھونگیر مڈل اسکول میں حاصل کی۔ تعلیم کے بعد حیدرآباد گئے۔ حیدرآباد آنے کے بعد وہ غالباً "مجلسِ اتحادالمسلمین" سے منسلک ہوگئے تھے۔ اور بہادر یار جنگ سے رفاقت رکھتے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن کی غارت گری دیکھنے کے بعد کراچی ہجرت اختیار کی۔ پاکستان منتقل ہونے کے بعد بھی انھوں نے قدیم دکنی میں شاعری جاری رکھی۔ ان کی شاعری کا مجموعہ "نوائے دہقانی" کے نام سے شائع ہوا۔ بیسویں صدی میں شائع ہونے والا دکنی شاعری کا یہ پہلا مجموعہ کلام ہے۔ ان کے کلام میں ہمیں نظمیں، غزلیں جوڑے ملتے ہیں دہقانی کی شاعری کے موضوعات متنوع ہے لیکن یہ تمام موضوعات دیہات ہی سے تعلق رکھتے ہیں اپنی شاعری کے بارے میں انھوں نے خود اظہار خیال کیا ہے لکھتے ہیں:۔

"میری جولانگاہ انسانوں کی وہ اکثریت جو شہروں کی چکاچوند
اور زرق برق تہذیب سے بہت دور فطرت کے گہوارہ میں پرورش
پاتی ہے سادگی اور سچائی جس کا طرۂ امتیاز ہے۔ خلوص اور کیسا
خلوص سادہ لوحی کی حد تک معاملات کا مفہوم صبح سے شام تک
محنت مسائل سے ہر قدم پر برسرِ آزما سکون کی زندگی، خاموشی وگمنامی
جس کا مقدر ہو"۔ ۵۱

دہقانی کی شاعری کو ہم بآسانی تین ادوار میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ پہلا دور ابتداء سے ان کے

---

۵۱ نذیر دہقانی۔ "میں اور میری شاعری کے تأثرات" صفحہ ۱۲

آبائی وطن میں گزرے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا دور حیدرآباد میں بیتی ہوئی زندگی سے متعلق ہے اور تیرا پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد کا ہے ان کے ابتدائی دور کی شاعری میں "دیہات" دیہات کے مزدور، موسم کے بیان کے متعلق ہے چنانچہ "لمبارن"، "دیہاتن" اور "ساحر اور برسات" اور "موڈ کا گیت" اسی زمانے کی یادگار رہے۔ ان کی دوسری دور کی شاعری میں (جبکہ وہ بہادر یار جنگ سے قریب تھے) سیاسی اور سماجی عنصر داخل ہوتا ہے۔ اس دور کی بیشتر نظموں میں شہری زندگی کے نقوش بھی ملتے ہیں۔ اور شہری زندگی کی نمود و نمائش بھی اپنا پرتو دکھاتی ہے۔ نذیر دہقانی کی شاعری کا تیرا دور دراصل Nostelgia ماضی کی یادوں سے وابستہ ہے۔ پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد یوں تو انھوں نے دکنی شاعری بھی کی اور سنجیدہ کلام بھی موضوع کیا۔ لیکن دکنی کا جتنا کلام انھوں نے دیاں تخلیق کیا ان تمام کا موضوع دکن اور حیدرآباد کی یادوں کے گرد گھومتا ہے۔ نذیر دہقانی کے تمام کلام میں ایک عنصر قدرے مشترک کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ہے اپنے موضوع اور فن سے ان کا خلوص اور محبت انھوں نے جو کچھ لکھا "چاہ" کر لکھا اور پورے خلوص کیساتھ لکھا۔ نصیرالدین ہاشمی لکھتے ہیں:—

دہقانی کی نظمیں اپنی صداقت و صاف گوئی کے لحاظ سے
موثر ہوتی ہے ان میں وہی ہوتا ہے جو زندگی میں گزرتا یا
پیش آتا اور نظر آتا ہے تخیل کی بلندی معانی کی دفعت

محاورات اور ضرب الامثال کی بندش ان کی شاعری کی

خصوصیت ہے۔ [1]

نذیر دہقانی کی دکنی شاعری کی احیاء کے باعث اولیت اور ان کے شاعرانہ عظمت کا بیان

کرتے ہوئے مولانا معزالدین ملتانی لکھتے ہیں :-

سماج کا کہنا روایات پر تنقید اور نئے تقاضوں کی صورت گری

سب سے پہلے دہقانی نے دیہاتی زبان میں کی۔ دہقانی کی شاعرانہ

عظمت اس اولیت کی وجہ سے بہت زیادہ بلند ہو جاتی ہے کہ

اس کی گرد آغاز سے علی صاحب اور کیفی کی صورتیں ابھر

آئیں۔ [2]

مولانا ملتانی نے اپنے مخصوص انداز میں نذیر دہقانی کی روایت کو اختیار کرنے اور پروان

چڑھانے والے شعراء علی صاحب میاں اور اعجاز حسین کھٹا کا ذکر کیا ہے۔

علی صاحب میاں پر اظہار خیال کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نذیر دہقانی

کا کچھ کلام درج کیا جائے۔ دکنی میں سامعین کو خاموش کرانے کے لئے لفظ "چُپ چُپ" جیسے تھوڑے سے

صوتی تغیر کے ساتھ "غپ چپ" بھی کہا جاتا ہے کو دہقانی نے بطور "ردیف" اپنی ایک غزل میں برتا

ہے۔ تین شعر ملاحظہ ہو۔

---

[1] نصیر الدین ہاشمی۔ "دکن میں اردو" صفحہ ۷۰

[2] معزالدین ملتانی "گھر کر دکے کانٹے" (مقدمہ) صفحہ ۱۳

کوئی جب کے چمکا دیں تجھے سب کیا کی نچ چپ ہے
جبر دستی سے پکا دیں تجھے سب کیا کی نچ چپ ہے
تمہارے باغ میں بڑیا غلاں آکر کو وا تا اں کو
پھلاں کو سارے کھا جا دیں تجھے سب کیا کی نچ چپ ہے
میں دن کو دن کیا تو وہ کہتے ہیں رات دہقانی
عجب سچ کو جھٹلا دیں تجھے سا کیا کی نچ چپ ہے۔

دکنی میں لفظ "نا جی" اعتراف کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے "ناجی" کو ردیف قرار دے کر دہقانی نے طنز و مزاح کے دیکھنے کیسے اچھے اشعار کہے۔

بیٹھے بیٹھے ظالم سے آنکھ لڑ گئی ناجی
ہور بھی مصیبت میں جان پڑ گئی ناجی
لگ کو بیٹھو بولے تو اُنہ کو گھڑ گئی ناجی
یوں رے منانے کو ہور بگڑ گئی ناجی
ڈھیلے ڈھالے کرتے کو تنگ سلا کو پہنتی ہے
ہلو ہلو منیش میں خود جکڑ گئی ناجی
روج روج کی سنا پنک روج روج کے نخرے اردو
عاشقی میں دہقانی کی کھال ادھڑ گئی ناجی۔

دو شعر ملاحظہ ہوں زمینداروں کی زیادتی اور کسانوں کے صبر و ضبط
کا بیان دکنی کے وسیلے سے دیکھئے کس خوبی سے کہا ہے

یہ گھر میراچ ہے پن کی چوکھٹ انگلنا نئیں کتے
سب جنے کودیں تو کودیں ہم اچھلنا نئیں کتے
جاتے رہینگا پیچھے پیچھے بن کو ہاتاں کب تلک
سر پو پوٹلیاں کب تلک اپر سے لاتاں کب تلک

کیسا بولتا ہوا مصرعہ ہے۔ ع ۔ "یہ گھر میراچ ہے پن کی چوکھٹ اُلگنا نئیں کتے"۔ چاہے آپ اس مصرعہ کو زمینداروں کی زور زبردستی کی طرف منسوب کریں یا انگریزوں کے غاصبانہ قبضے کی طرف منسوب کریں۔

نذیر دہقانی نے رحیم صاحب میاں کو سننے کے بعد شعر کہنا شروع کیا بیش یہی حال علی صاحب میاں کا ہے۔ انھوں نے جب ورنگل میں نذیر دہقانی کو شعر پڑھتے ہوئے سنا تو انھیں خود بھی شاعری کا شوق ہوا۔ ابتدا میں انھوں نے موتن غالب فانی کے کلام کو سامنے رکھ کر ان کی مزاحیہ پیروڈیاں لکھی۔ رفتہ رفتہ انھوں نے اس رجحان کو چھوڑ دیا۔ اور طنزیہ مزاحیہ شاعری . . . .

شروع کی آج علی صاحب میاں بیسویں صدی میں دکنی شعراء کی صف اول میں نظر آتے ہیں۔

سید غلام علی نام تھا غالباً رحیم صاب میاں سے متاثر تھے اسی لئے علی صاحب میاں تخلص اختیار کر لیا۔ سید خواجہ محی الدین کے گھر ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے ان کے والد دکن پولیس میں ملازم تھے۔ ابتدائی تعلیم اشرف المدارس چادر گھاٹ ہائی اسکول میں حاصل کی عثمانیہ سے گریجویشن کیا۔ دکنی شعراء میں علی صاحب میاں عثمانیہ کے پہلے تعلیم یافتہ گریجویٹ ہیں فطرتاً حساس اور ظریف واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ کالج ہی کے زمانے سے شعراء کی نقلیں اتارنا اور شعراء کے کلام کی پیروڈی لکھنا شروع کی۔

علی صاحب نے اپنے پیش رو شعراء کی روایت کو ایمانداری سے بڑا استواری کے ساتھ قائم رکھا۔ انھوں نے ہر موضوع پر طبع آزمائی کی ان کے یہاں سماجی مسائل بھی ملتے ہیں۔ ختم ہوتی جاگیر داری تہذیب کے نقوش بھی ملتے ہیں۔ زمانے کے سیاسی و معاشرتی حالات کی عکاسی بھی ملتی ہے۔

علی صاحب میاں کے یہاں پہلی مرتبہ طنز اور مزاح دونوں اہم آہنگ نظر آتی ہیں۔ عبدالکریم نوذ کے یہاں ہمیں صرف مزاحیہ عنصر ملتا ہے۔ اس استثنیٰ کے ساتھ کہ وہ دکنی کے شاعر نہیں تھے لیکن حیدرآباد کے اچھے مزاحیہ شاعر تھے اور حیدرآباد میں مزاحیہ شاعری کے اولین ستون سمجھے جاتے ہیں۔ رحیم صاب میاں کے پاس دکنی شاعری تو ہے اور کہیں کہیں مزاحیہ عنصر بھی

ہے لیکن طنز کا عنصر قال قال ملتے ہیں۔ نذیر دہقانی کے کلام میں یقیناً طنز و مزاح کا عنصر ملتا ہے لیکن ان کے یہاں بھی وہ خلوص نہیں ملتا جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

علی صاحب میاں کے یہاں طنز و مزاح ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور ایک دوسرے کا دامن تھامے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام میں جہاں مزاح کی کلکاریاں ہے وہیں طنز کے نشتر بھی ملتے ہیں۔ شائد یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی کے دکنی مزاحیہ شعراء میں ان کا کلام عروج پر نظر آتا ہے

انیسہ سلطانہ لکھتی ہیں :-

"علی صاحب میاں کی شاعری اس لحاظ
سے بھی انفرادیت رکھتی ہے کہ اس میں
داخلیت کے ساتھ ساتھ خارجیت پر بھی
زور دیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں
نہ غم ذات کو جگہ دی ہے بلکہ غم کائنات
کو بھی سمیٹ لیا"۔ [۱۵]

ان کی نظم "لیو خطبہ" سے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

باغ لگا دہوں محنت سے پھل دوسرے کھادیں لیو خطبہ
آنکھ میں مٹی ڈالے سو ڈالے منھ میں بھی بھادیں لیو خطبہ

---

۱۵ انیسہ سلطانہ۔ "حیدرآباد میں طنز و مزاح کی نشو و نما" صفحہ ۱۷

بجلیاں دیکھی مار کو بینھیں کیتے بھو بھو بولے تو

کوئل، بلبل غپ چپ ہے ہو دکوئے گا دیں یو خطبہ

دشوت سے سب کنڈ چھپاں کرے سوداخاں بند سمجا

لانڈگے بن کو ساڈستے، بکریاں چرادیں لیو خطبہ

بڑھ کو نماز اللہ کے ہے گھٹہ پیشانی پو آیا

گانے اور بیلوں کیلئے کردیں چرادیں لیو خطبہ

سرتو دکھے ہیں سجدے میں اپن دل میں دنگل اُڑی ہے بوری

گول پھرادیں لوگوں کو تسبیح بھی پھرادیں لیو خطبہ ۔

اوپر اس بات کو اظہار کیا گیا ہے کہ علی صاحب میاں کے کلام میں ہمیں اس زمانے کے سیاسی معاشی و معاشرتی کشمکش کے نقوش ملتے ہیں۔ اردو شاعری کی روایت میں یہ نقوش کسی نئے عنصر کی حیثیت نہیں رکھتے۔ شاہ حاتم سے لیکر جوش تک۔ اس عنصر کا بیان برابر ہوتا رہا۔ جوش ملیح آبادی نے تو انگریزوں کے خلاف بانگِ دُہل انقلاب کا نعرہ بلند کیا اور شاعرِ انقلاب کہلائے "ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں کے نام" جیسی نظمیں لکھی جس میں برطانیہ کے سیاسی شعبوں کا راز فاش کیا گیا۔ علی صاحب میاں نے بھی جنگ کے عنوان سے نظم لکھی ہے اپنی مخصوص لہجے اور مزاحیہ انداز میں اور بہار کے تلازمۂ الفاظ کے سہارے جنگ عظیم کے محرکات کا بیان کیا ہے:—

بہار آگئی ہے یورپ کے چمن میں گلستاں ہو دیں

حرص کے تیز جھونکوں سے صلح کو گدگدیاں ہو دیں

اڑ گیا سوں کے نلاں کھا کو انسانوں پر منڈلا رہیں

بموں کے پھول سنگنیاں باغ میں فوجوں کی منڈلا رہیں

وہ دیکھو ہاتھ میں بندوق بستی لے کو باہر آئی

سنو تم چو طرف توپاں بجا دیں مل کو شہنائی

سیاست بن کو بازی پھر کتی اڑتی پھر رہی ہے

ہرن سنت کی بے ایمانی کے میدانوں میں چر رہی ہے

فقط دو دن کی دنیا ہے سو یہ اس کا وطیرہ ہے

یہ انکھیاں میچنے کی دیر تیرا ہے نہ میرا ہے ۔

انھوں نے ایک نظم "کسان" لکھی ہے جس میں کائنات کے ستم ظریفی پر کسان کو ہونے والے نقصانات کا بیان کیا ہے ۔

علی صاحب میاں نے نظمیں بھی لکھی ہیں اور غزلیں بھی ان کی غزلوں میں بھی طنز و مزاح کا عنصر موجود ہے علی صاحب میاں کے فن کا کمال یہ ہے کہ ان کے بیان حسب ضرورت منظر نگاری ، تشبیہات و استعارات و محاوروں کا استعمال کیا گیا ہے ۔ ان کے رباعی مجموعے "بھی ملتے

ہیں جو بہت خوب ہیں یہاں صرف ایک چوا درج کیا جاتا ہے :-

ہڈیاں توڑنے تلک اٹھیّاں کرتے رہے

گنڈوں کی بات آئی تو بکریاں چرانے رہے

عمر تمام یونچ کئی علی صاحب کی

اماں کا کھانے ماموں کی بکریاں چراتے رہے ۔

علی صاحب میاں کے کلام میں ہمیں دکنی شاعری کی روایت کے نمایاں نقوش ملتے ہیں انھوں نے صرف دہقانی یا رحیم صاحب میاں سے فیض نہیں اٹھایا۔ بلکہ قدیم دکنی شعرا کی روایت کی بھی پاسداری کی ان کے کلام کی یہی خصوصیات انھیں دکنی شاعری کا ایک اہم شاعر بنادیتی ہیں ۔

بیسویں صدی میں دکنی شاعری کو پروان چڑھانے میں جن دو شعرا نے اہم ترین حصہ ادا کیا ہے ان میں علی صاحب میاں کے علاوہ اعجاز حسین کھٹا کا نام اہمیت رکھتا ہے ۔

اعجاز حسین کھٹا حیدرآباد میں پیدا ہوئے اور یہی تعلیم پائی انھیں دکن سے دکنی زبان سے دکنی تہذیب سے بے انتہائی محبت تھی بیسوی صدی کی دوسری تیسری دہائی میں جب دکنی شاعری کا طلسم آہستہ میں بول بالا تھا اعجاز حسین نے کھٹا تخلص اختیار کرتے ہوئے شاعری شروع کی کھٹا دکنی تہذیب کا جزو ہے دکنی کے جو مخصوص کھانے ہیں ان میں بریانی، بگھارے بیگن کے

ساتھ ساتھ کھچڑی اور کھٹا بھی شامل ہے. کھچڑی اور کھٹا عموماً صبح سویرے ناشتے میں کھایا جاتا ہے کھٹا کئی طریقوں سے بنایا جاتا ہے. خالص املی کا بنایا جاتا ہے کبھی تل کو پیس کر اور اسے بیس کر کھٹا شامل کر کے بنایا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ. اس تناظر میں اعجاز حسین کا تخلص کھٹا اختیار کرنا خالص دکنی اور حیدرآبادی ہونے کی دلیل پیش کرتا ہے. ۱۹۴۸ء میں جب مملکت آصفیہ کا خاتمہ ہوا اور پولیس ایکشن کے نام پر ہندوستانی حکومت نے آصفی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی معصوم عوام کو قتل کیا اور نہتے نوجوانوں پر ٹینک دوڑا دئیے تو کھٹا دلبرداشتہ ہو کر پاکستان چلے گئے. پاکستان ہجرت کھٹا کی شاعری کا ثانیہ ہے. بیسویں صدی کے ابتداء میں جن شعراء نے دکن میں شاعری کی ان میں علی صاحب میاں اور کھٹا کی زبان سند کا درجہ رکھتی ہے. کھٹا کے یہاں سماجی مسائل سیاسی نشیب و فراز اور معاشرتی پیچیدگیاں سب کچھ ملتے ہیں. انھوں نے اپنی شاعری میں دکنی محاوروں، دکنی روزمرہ کا بہت اچھی طرح استعمال کیا جس سے ان کی شاعری میں زورِ بیان بھی پیدا ہو گیا اور ثقالت و روانی بھی.

کھٹا نے اس زمانے میں شاعری اختیار کی جب حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب جو اپنی مثال آپ تھی جہاں انسان بستے تھے ہندو یا مسلمان نہیں. جب یہ تہذیب سیاسی بازیگروں کی زہریلی سازش کا شکار ہوئی تو کھٹا نے ایک طویل نظم "نکو" کے نام سے لکھی. اس نظم میں انھوں نے یہ پیغام دیا کہ سماج میں فرد کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ قوم اہم ہوتی ہے.

ذیل میں اس نظم کے صرف تین شعر درج کیے جاتے ہیں :-

اپن لوگوں کا رنگ ایکچ تو پھر یہ چھیڑ خانیاں کیوں
ہنسنے کے کرو چالاں بھلا کھینچ کرو نکو

وہ آکے اُچلے رنگا سان بدن کو روپ دیوتا کا
یہ اپر اپر کے میں دل ملیں کے انوں کی بیچ کرو نکو

غضب ہے دونوں بازو لڑ کو کٹ جانا قیامت ہے
وقت ہے مل کو رہنے کا ارے لڑ کو مرو نکو

کھنّا کی ایک نظم "سائیں کی صدا" کے عنوان سے ملتی ہے جس میں انھوں نے سامراج کے زور زبردستی اور تقسیم کرو حکومت کرو کے سازش کا بیان کرتے ہوئے اپنے ہم وطنوں کو جاگنے کا پیغام دیا ہے :-

جاگ رے بابا جاگ رے بابا
گھر کو لگی ہے آگ رے بابا

لخت جگر سب تک رے منہ کو
دودھ کو پی رئیں ناگ رے بابا

گوگرو پالے بوکر جوکو
پھوٹیں تیرے بھاگ رے بابا

ابھیچ فدیا آپ ہی پیا سے
جینا ہے ویتاگ رے بابا
بھیک نہیں آزادی حق ہے
سجا بنیں بیراگی رے بابا۔

بال گنگا دھر تلک نے کانگریس کی قیادت کرتے ہوئے یہ نعرہ دیا تھا کہ آزادی ہمارا بنیادی حق ہے، اور کھنّا کہتے ہیں ع۔ بھیک نہیں آزادی حق ہے۔ اقبال کا مشہور شعر ہے۔

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں۔

یہاں پر بات لکھنا بہت ممکن ہے عبارت تھوڑی جائیگی لیکن حق یہ ہے کہ کھنّا کی نظم کے پہلے شعر میں جو سادگی اور برجستگی ملتی ہے اور مفہوم کی ترسیل جس انداز میں ملتی ہے وہ اقبال کے اس شعر میں مفقود نظر آتی ہے۔

۱۹۵۶ء کے بعد دکنی شاعری کے مزاج میں فرق آتا ہے ۱۹۵۸ء کے بعد دکنی طنز و مزاح کی شاعری کرنے والوں میں سرور ڈنڈا اور سلیمان خطیب نام نمایاں نظر آتے ہیں سرور ڈنڈا اعجاز حسین کھنّا کے شاگرد رشید تھے لیکن جب ہم ان کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ ڈنڈا کے یہاں کھنّا کی دکنی کا دھیما انداز ڈول ہو گیا ہے۔ سرور ڈنڈا نے اپنے

استاد کے برخلاف خالص دکنی کو چھوڑ کر حیدرآباد کے گلیوں میں بولی جانے والی شہری دکنی کو وسیلۂ اظہار بنایا چنانچہ انیسہ سلطانہ لکھتی ہیں :-

"سرور ڈنڈا نے دکنی شاعری کی۔ لیکن یہ قدیم دکنی سے اور نذیر احمد دہقانی اعجاز حسین کھٹا علی صاحب میاں کی دکنی زبان سے مختلف ہے انہوں نے دیہاتی زبان استعمال نہیں کی بلکہ حیدرآباد عوام کی زبان جو اس شہر کی گلیوں اور بازاروں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے استعمال کی۔" [1]

انیسہ سلطانہ نے جو کچھ لکھا ہے ڈنڈا کے کلام کے مطالعہ کے بعد ان کی رائے پر شک کرنا پڑتا ہے لیکن پروفیسر سلیمان اطہر جاوید لکھتے ہیں :-

ڈنڈا کی عظمت اس میں ہے کہ ان کی شاعری غیر معمولی حد تک دکنی ہے ان کی دکنی میں موجودہ اردو کا امتزاج نہیں پایا ہے تو بے حد کم انہوں نے طنز و ظرافت سے بھی کام لیا ہے اور ننگے دکھتی رگوں کو چھیڑا ہے [2]

ڈنڈا کی زبان غیر معمولی حد تک تو کیا دہقانی، علی صاحب میاں، کھٹا حتیٰ کہ سلیمان خطیب کی دکنی بھی نہیں۔ ان کی مشہور نظم "جنتا کی مرضی" ملاحظہ ہو۔

جنتا کی ہے یہ مرضی

مانگے تمہاری مرضی

---

[1] انیسہ سلطانہ حیدرآباد میں طنز و مزاح کی نشوونما صفحہ ۹۰

[2] سلیمان اطہر جاوید "عصر حاضر میں دکنی شاعری" مضمون مشمولہ تنقیدی افکار ۱۹۷۷ء صفحہ ۱۵۵

اوہ آندھرا کے گانا

سنجیوا ریڈی ماما

بے کاری بے روزگاری

یہ عام ہے بیماری

روزگار سے لگانا

سنجیوا ریڈی ماما

تعلیم نئیں سو بچے

نکلیں گے کاں سے اچھے

تعلیم فری دلانا

سنجیوا ریڈی ماما

قسمت کے پھولاں کھل گئیں

بچھڑے سو بھائیاں مل گئیں

آندھرا اور تلنگانہ

سنجیوا ریڈی ماما

پولیس کی ڈائری میں

ڈنڈے کی شاعری میں۔

یہ نظم اسیہ سلطانہ کی رائے کی تو تائید کرتی ہے لیکن اسی کے ساتھ سلیمان اطہر جاوید کی پرعظمت رائے کی نفی کرتی ہے۔ اس لئے کہ یہ زبان جو کہ ان کے سارے کلام کی نمائندگی کرتی ہے۔ پولیس ایکشن کے بعد والی حیدرآباد کی شہری بولی کی اچھی مثال ہے جسے ہم خالص دکنی یا قدیم دکنی ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

سرور ڈنڈا کے یہاں اپنے پیش رو شعرا کی طرح متنوع موضوعات ملتے ہیں۔ انہوں نے اپنے موضوعات کی سیاست پر بھی طنز کیا ہے اور حملہ آور چین کو بھی للکارا ہے اشارے کنائے میں انہوں نے کانگریسی حکومت پر بھی طنز کے تیر چلائے ہیں۔ سیاست سے متعلق ان کا یہاں صرف ایک شعر درج کیا جاتا ہے جو سیاستدانوں کی مفاد پرستی اور موقع پرستی کی خلعی کرتا ہے۔

تعریف سیاست کی فقط اتنی ہے یارو
جس کو ملا موقع اپنے ڈھول بجایا۔

۱۹۶۲ء میں چین نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو سرور ڈنڈا کا محب وطن دل تڑپ اٹھا تو انھوں نے ایک طویل نظم لکھی ہے لیکن ان کا یہ مصرعہ کہ ع "چھیلے تو گھوکرو سمجے تو ہمالہ" اپنے ہم وطنوں سے وطن دوستی کی داد چاہتا ہے۔ خصوصاً "سینے تو ہمالا کا ٹکڑا" ہندوستانی قوم کی ایک رنگی کو ظاہر کرتا ہے۔ الغرض ڈنڈا کی شاعری میں کھنا کی روایت کی بھرپور پاسداری ملتی ہے۔

بیسوی صدی میں دکنی شاعری کی روایت اور اسکے ارتقاء کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ایک اہم نام "سلیمان خطیب" کا ملتا ہے۔ ۱۹۱۹ء میں چنگیرہ ضلع گلبرگہ میں پیدا ہوئے[۱] چھ ماہ کے تھے کہ ماں باپ کا انتقال ہوگیا بچپن انتہائی ناسازگار حالات میں گذرا۔ تعلیم انتہائی مشکل حالات میں حاصل کی۔ شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ جب شعر کہنا شروع کیا تو ابتداء میں جناب محمد حسن ادیب اور مولوی عبدالرحیم صدیقی حیرت سے اور بعد میں اپنے خسر مولانا حافظ محمد اسماعیل، شریف صاحب ازل سے مشورۂ سخن کیا۔

۱۹۴۸ء کے بعد جب دکنی تہذیب و تمدن کا شیرازہ بکھر گیا اور دکنی و اردو زبان پر قیامت صغراء گزر گئی اردو میں بات کرنا گناہ سمجھا جانے لگا ایسے ماحول میں خطیبؔ نے دکنی میں شعر کہنے کا حوصلہ کیا حوصلہ دیکھئے خود کو "ظلمتوں کا دشمن" قرار دیتے ہیں

میں ظلمتوں کا دشمن، ماہ تمام جیسے
لڑتا ہوں ہر بدی سے دن میں امام جیسے
کس سے کہوں میں دل کی اب کون یاں سنے گا
جھوٹوں میں یوں گھرا ہوں لنکا میں رام جیسے
ہر بغض ڈوبی ڈوبی ہر شئے بجھی بجھی سی
دن دہاڑے آگئی ہے مقتل میں شام جیسے۔

---

۱ عاتق شاہ: "خطیب کی شخصیت اور فن" (مضمون) شگوفہ جلد ۸ شمارہ ۱۲ صفحہ ۲۵

سلیمان خطیب نے نظموں اور غزلوں کے علاوہ گیت بھی لکھے۔ گیت کی روایت ہمیں نذیر دہقانی کے پاس ملتی ہے۔ اسی روایت کا احیا، سلیمان خطیب نے کیا دہقانی نے "موٹ کا گیت" لکھا تھا خطیب نے بھی موٹ کا گیت لکھا اپنے مجموعے "کیوڑے کا بن" میں لکھتے ہیں کہ موٹ کا گیت ان کا پہلا گیت ہے لکھتے ہیں۔

"میں صرف لوک گیتوں سے متاثر ہوا ایک عرصے تک
ڈھولک کے گیت جمع کرتا رہا۔ میرا پہلا لوک گیت
میٹھا میٹھا موٹ کا پانی ہے" [1]

سلیمان خطیب کے موضوعات میں بڑی رنگا رنگی ملتی ہے لیکن اس رنگا رنگی میں انسان دوستی کا عنصر قدرِ مشترک رکھتا ہے۔ سلیمان خطیب کی شاعری اور ان کے موضوعات کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر سیدہ جعفر لکھتی ہیں

انہوں نے انسانی مسائل کو جغرافیائی حدود میں محصور کر کے نہیں
دیکھا بلکہ ان کی نظر میں ان دھندلکوں کے پیچھے خود انسان پر
جمی رہیں۔ انھوں نے داخلی تجربے اور انفرادی واردات کو
اپنا موضوع نہیں بنایا۔ بلکہ روزمرہ زندگی کے تلخ تجربات
سے اپنے فن کی آبیاری کی اور بہاگر بار و خندان زندگی ان کے

---

[1] سلیمان خطیب "کیوڑے کا بن"

لیے سرچشمہ وجدان بن گئی۔ انہوں نے ایک غیر متوازی سماج
کے فرد کی حیثیت سے اپنے معاشرے کی کج روی تصنع اور کھوکھلے پن
کو اپنے مزاح کا نشانہ بنایا ہے۔ [1]

اردو کے عوامی شاعر نظیر اکبر آبادی نے "روٹی" پر بڑی پر اثر نظم لکھی ہے لیکن سلیمان خطیب کا مشاہدہ اور بصیرت نظر سے یکسر مختلف ہے نظیر نے بیانیہ انداز میں اور راست انداز میں کہا ہے خطیب نے بھی نظم میں بیانیہ انداز ہی اپنایا ہے لیکن یہ طرز تخاطب ہی کچھ اور ہے چند شعر ملاحظہ ہو۔

دنیا میں قتل عام روٹی کے واسطے
شمشیر بے نیام ہے روٹی کے واسطے
یہ امن کے امین بھی گندم فروش ہیں
دنیا اسیر دام ہے روٹی کے واسطے
کعبہ کو طواف کرتے ہیں روٹی کے گرد ہی
کوٹھے کا اہتمام ہے روٹی کے واسطے
دنیا کی ہر دعا میں ہے روٹی کا تذکرہ
بدنام یہ غلام ہے روٹی کے واسطے۔

---

[1] ڈاکٹر سیدہ جعفر شگوفہ نومبر ۱۹۷۵ء صفحہ ۲۳

پروفیسر سید جعفر نے اپنے اقتباس میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ سلیمان خطیب نے اپنی شاعری میں انسانی مسائل کا بیان کیا ہے جو زمین پر کھینچی گئی انسانی لکیروں سے بالا تر ہے سلیمان خطیب نے مخدوم محی الدین کے مشہور نظم "چارہ گر کی سروڈی کی ہے مخدوم کی نظم کا موضوع "محبت" ہے خطیب کی سروڈی کا موضوع "غربت" ہے چند شعر ملاحظہ ہو:

ایک چاول کی مٹی کا محتاج ہے
یہ بتا چارہ گر! تیری زنبیل میں
کچھ علاج و مداوائے فاقہ بھی ہے
خلقِ انساں تھوڑا جو ارزاں ہوا
ہم بھی گاتے پھریں گے میرے دوستو
اک چنبیلی کے منڈوے تلے ۔

سلیمان خطیب نے ہم عصر سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات ہی کو موضوع نہیں بنایا۔ انھوں نے اپنے زمانے کی ادبی رجحانات اور تحریکوں پر بھی دو ٹوک انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔ خطیب کی شاعری کا آغاز ۱۹۳۵ء کے آس پاس ہوتا ہے زمانہ ہے جب ہندوستان کی ادبی فضا میں ترقی پسند تحریک کا بول بالا تھا۔ ۱۹۶۰ء کے آتے آتے خطیب کا کلام اپنی عظمت اور شہرت کے بامِ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ ۱۹۶۰ء کے بعد

کے نام سے فنونِ لطیفہ میں نئے نئے تجربے کئے گئے حتی کہ علامت نگاری کے ہوتے ہوئے "تجریہ" تک کا سفر طئے کیا۔ سلیمان خطیب اپنے زمانے کی اس رجحانِ تحریک کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

بے وزن شعر صرف ترنم سے بڑھ دیئے
بے معنی نظمیں لکھی ہیں جدت کے نام سے
ہر شکل بد کو کہتا ہے تجریدی آرٹ ہے
بیلن بنا کے رکھ دیا ہے مورت کے نام سے

سلیمان خطیب بیسوی صدی میں دکنی شاعری کا ایک اہم ترین نام ہے۔ ان کی شاعری شاعری کی حق خصوصیات اور ان کے موضوعات کا مفصل جائزہ لینے کے بعد انیسہ سلطانہ نے "انھیں دکنی شاعری کی "آبرو"[۵۱] قرار دیا ہے۔

بیسویں صدی میں دکنی شاعری کا احیاء ہوا دکنی زبان فنِ ظریف کا ایک مرتبہ پھر سے وسیلہ قرار پائی دکنی کے چاہنے والوں نے اپنے خونِ جگر سے اس فن کو جِلا بخشی رحیم صاحب میاں، نذیر دہقانی، علی صاحب میاں اعجاز حسین کھٹا سرور ڈنڈا سلیمان خطیب اور بے شما ر دوسرے شعراء نے دکنی کو اپنے فن کا وسیلۂ اظہار بنایا اداقمۃ الحروف کو اپنے مقالا کی موضوع کی مناسبت سے اس باب کو دکنی شاعری کے ارتقاء

---

۵۱ انیسہ سلطانہ ۔ ۔ صفحہ ۶۷

کے سفر کو صرف ۱۹۵۰ء تک بیان کرنا تھا اسی لیے گلی تلنگانوی، اشرف خوندمیری، ڈھکن دانپوری، طالب خوندمیری، مصطفیٰ علی بیگ، وغیرہ کا ذکر اس باب میں نہیں کیا گیا۔ یہاں ایک بات کی وضاحت اور کرنی ہے کہ مقالا میں دکنی کے ممتاز شاعر حمایت اللہ کی شاعری کی روایت اور فن کا جائزہ لینا ہے اسی مناسبت سے دکنی کے شاعروں کے فن تک اپنی بات کو محدود رکھا گیا ہے۔

بیسویں صدی میں دکنی شاعری کا ایک مخصوص وصف سامنے آیا کہ اس زبان نے مزاح کا پیراہن اختیار کیا اور ادب کا فریضہ اس طرح نبھایا کہ اپنے عہد اور ماحول میں جو پیکر فریاد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں انھیں تحریر کی زبان بخشی اور جو مظلوم ظالم کے سامنے گونگے ہو گئے انھیں اپنی تحریر کے ذریعے نہ صرف گنگنانا سکھایا بلکہ مسکرانے اور قہقہہ لگانے کا ہنر بھی سکھایا۔

بیسویں صدی میں دکنی شاعری کا یہ عمل منفرد بھی ہے اور عظیم بھی۔ جس عہد میں دکنی شاعری طنز کے تیر مزاح کی کمان سے اپنے نشانوں پر چلا رہی تھی ایسے ماحول اور دکنی شاعری کے اس سنگِ میل پر دکنی زبان کا من چلا شاعر جس کا فنی خلوص اپنے مخالفین سے بھی داد وصول کرتا ہے دکنی شاعری کے افق پر طلوع ہوتا ہے۔ اس شاعر کا نام ہے حمایت اللہ۔

باب دوم

حمایت اللہ سوانح اور شخصیت

آباواجداد، پیدائش، تعلیم، اساتذہ، تجارت، شادی،

کردار، دلچسپیاں، دوست واحباب

محمد حمایت اللہ کا تعلق ایک معزز فوجی گھرانے سے ہے ان کے آباؤ اجداد سات پشتوں سے پیشہ سپہ گری سے منسلک تھے ان کے دادا محمد حسین نے اپنے خاندانی پیشہ کو اپنایا ان کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ بڑے صاحبزادے غلام مرتضیٰ نے بھی پیشہ اجداد اپنایا اور فوجی ملازمت کو ترجیح دی اور میجر کے عہدے پر فائز ہوئے وہ انتہائی بہادر اور دلیر انسان تھے غلام مرتضیٰ ایک بہترین شکاری بھی تھے ان کا نشانہ بہت اچھا تھا اور بادشاہ وقت (نواب میر محبوب علی خان) کی شکار پارٹی کے رکن تھے۔ بادشاہ جب بھی شکار کو جاتے غلام مرتضیٰ ہر حال میں اور ہمیشہ ہمراہ ہوتے۔ شکار کا ایک واقعہ یادگار ہے۔ یہ کہ بادشاہ وقت کے پاس بیرونی ملک کے کوئی معزز مہمان آئے ہوئے تھے۔ بادشاہ معہ اپنی ٹیم شکار کے لئے نکلے شیر کے شکار کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ بادشاہ شیر کے شکار کے لئے منچان پر بیٹھ جاتے اور ان کے پیچھے ٹیم کے ارکان بیٹھے ہوتے جیسے ہی شکار نظر آتا بادشاہ سلامت گولی چلاتے اسکے ساتھ ہی پیچھے بیٹھے شکاری گولی چلاتے۔ عموماً شیر شکاری کی گولی کا نشانہ بنتا لیکن نام بادشاہ کا ہوتا تھا۔ اس شکار کے موقع پر بھی بادشاہ وقت منچان پر بیٹھ گئے اور جیسے ہی شکار نظر آیا گولی چلادی

گولی چلانے میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے جس کی وجہ سے نیچے گرنے کو تھے کہ غلام مرتضیٰ نے منچان سے چھلانگ لگائی اور پلک جھپکتے بادشاہِ وقت کو اپنے ہاتھوں میں تھاما یہ غلام مرتضیٰ کی زندگی کا اہم واقعہ ہے کہ اپنی جان کو جوکھم میں ڈال کر اپنے آقا کی جان بچائی تھی جس سے ان کی وفاداری، بہادری اور شجاعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے [۵۱]

غلام مرتضیٰ وضع قطع کے لحاظ سے بھی لحیم شحیم اور اونچی جسامت کے انسان تھے. دیکھنے میں بھی دبدبادار اور فوجی معلوم ہوتے تھے. ان کی شریکِ سفر افضل النساء بیگم انتہائی خوش مزاج اور زندہ دل خاتون تھی. وہ ایک وفا شعار اور خدمت گزار خاتون تھیں اپنے فرائض کی ادائیگی میں انھوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی. غلام مرتضیٰ کا انتقال عین جوانی ۱۹۴۹ء میں ہوا جس کی وجہ سے گھر کے حالات بہت ہی ناساز گار ہو گئے" بچے ابھی چھوٹے چھوٹے تھے" گذر بسر کا کوئی سامان نہ تھا" ابھی وظیفہ بھی منظور نہیں ہوا تھا" ایسے سخت مشکل حالات میں انھوں نے نہایت ہی صبر کے ساتھ دشواریوں کا مقابلہ کیا اور اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا۔ افضل النساء بیگم ایک دیندار خاتون تھیں. چنانچہ بچوں کو بھی انھوں نے دینی تعلیم دی ان کے گھر کا ماحول بھی دینی تھا. مزاج کے اعتبار سے وہ ایک زندہ دل اور پُر مزاح خاتون تھیں انھیں بے شمار لطیفے یاد تھے. ڈاکٹر رشید موسوی کہتی ہیں کہ شادی کے بعد ابتدا" وہ پریشان ہو جاتی تھی کہ کس طرح میری ساس کو اتنے لطیفے یاد ہیں. اس لئے ہر بات پر لطیفہ کہتی تھیں خود بھی ہنستی اور دوسروں کو بھی ہنسنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ افضل النساء میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ لوگوں کی نقل (ممکری)۔

---

۵۱ یہ تمام تفصیل ڈاکٹر زینت ساجدہ کے نجی انٹرویو پر مشتمل ہے ۔ (مصنف)

MIMCRY) بہت اچھی کرتی تھی۔ کسی کی بھی نقل کریں بلکل ہو بہو کیا کرتی تھی کسی کی ہو بہو نقل کرنا کوئی معمولی فن نہیں یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ ایک بہترین آرٹسٹ کی خوبیاں ان میں موجود تھیں۔

غلام مرتضیٰ اور افضل النساء بیگم کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں تھی۔ سب سے بڑے لڑکے غلام مصطفیٰ نے اپنے آبائی پیشہ سپہ گری کو اپنایا اور نظام ٹرسٹ آرمی میں ملازمت اختیار کی۔ دوسرے لڑکے محمد عبدالباسط پیشہ تدریس سے وابستہ ہوئے (یہ اپنے والد کے انتقال کے وقت تجارت کیا کرتے تھے ان کی جوار اضی حیدرآباد اور ہنگولی میں تھی اس کی دیکھ بھال اپنے بڑے بھائی کے تعاون سے کیا کرتے تھے، بقید حیات ہیں)۔ تیسرے لڑکے محمد عبدالہادی بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فوج میں ملازمت اختیار کی لیکن پیر میں فریکچر آجانے کی بناء پر ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور اپنے چھوٹے بھائی یعنی محمد حمایت اللہ کے کاروبار میں شریک ہو گئے۔ غلام مرتضیٰ کے تین لڑکیاں تھیں جہاں آرا بیگم، عائشہ بیگم اور آسیہ بیگم۔ جہاں آرا بیگم کا انتقال ہو چکا دو لڑکیاں بقید حیات ہیں۔ غلام مرتضیٰ کے سب سے چھوٹے لڑکے حمایت اللہ ہیں جو حکومت آندھرا پردیش کے "A" کلاس گورنمنٹ کانٹراکٹر تھے۔

پیدائش :۔

محمد غلام مرتضیٰ کے یہاں ۲۵ دسمبر ۱۹۳۲ء سکندرآباد فوجی ایریا میں جو لڑکا

پیدا ہوا اُسے حمایت اللہ کے نام سے منسوب کیا گیا۔ غلام مرتضیٰ صاحب کا آبائی مکان چنچل گوڑہ میں تھا لیکن ملازمت کی وجہ سے سکندرآباد میں مقیم تھے۔ حمایت اللہ ابھی پانچویں جماعت میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے ان کا بچپن نہایت کسمپرسی میں گذرا۔ بڑے بھائیوں کی مدد اور اپنی والدہ محترمہ کی کوششوں سے یہ اپنے تعلیمی سفر کو کسی طرح آگے بڑھاتے رہے۔ چونکہ والد کو ابھی وظیفہ منظور نہیں ہوا تھا بقایاجات بھی نہیں ملے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ سخت تنگدستی کا شکار ہو گئے تھے لیکن اللہ نے رحم کیا آہستہ آہستہ حالات سدھرتے گئے والدہ کا وظیفہ منظور ہو گیا اور بقایاجات بھی مل گئے۔ والد کے انتقال سے پہلے ایک بہن کی شادی ہوئی تھی اور دو بہنیں ان بیاہی تھی جنکی شادی والدہ نے دنگ روڈ کی زمین فروخت کر کے انجام دی۔ حمایت اللہ اور ان کے بھائی ابتداء میں سیکل ڈیرنگ اور کلرنگ COLOURING کی دکان چلایا کرتے تھے۔ حمایت اللہ اسکول سے واپسی کے بعد دوکان پر بیٹھا کرتے تھے۔

تعلیم :-

حمایت اللہ کے تعلیمی سفر کا آغاز انگریزی تعلیم سے ہوا انھوں نے ابتداء میں سنٹ پیٹرک ہائی اسکول سکندرآباد میں تعلیم حاصل کی۔ چونکہ حیدرآباد سے سکندرآباد جانے کے لیئے کافی وقت درکار تھا اور حمایت اللہ ابھی بہت چھوٹے تھے اسلیئے ان کے والدین نے انھیں ہاسٹل میں داخل کروا دیا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد ہاسٹل کے اخراجات برداشت

کرنا حمایت اللہ کی والدہ کے لئے ممکن نہ تھا جسکی وجہ سے انھیں ہاسٹل کا قیام ترک کرنا پڑا اسوقت حمایت اللہ پانچویں جماعت میں تھے اور بس کا سفر با آسانی کر سکتے تھے لیکن اس سفر کے دوران مشکلات کا سامنا بھی ہوتا کئی مرتبہ بس میں سفر کے دوران حمایت اللہ کے ٹکٹ کے پیسے کھو گئے۔ چنانچہ انھوں نے کئی دفعہ اسکول سے گھر تک کا سفر پیدل طے کیا۔ ان حالات کی وجہ سے حمایت اللہ کو اسکول بھی تبدیل کرنا پڑا۔ حمایت اللہ نے سینٹ پیٹرک ہائی اسکول کے بعد آل سینٹس گرامر اسکول عابڈس میں داخلہ لیا۔ سینئر کیمرج تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اپنی تعلیمی سفر کو خیرآباد کہہ کر روزی روزی کی فکر میں سرگرداں ہوئے۔ کیونکہ ان کے حالات اعلیٰ تعلیم کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

اساتذہ :۔

حمایت اللہ زمانہ طالب علمی میں سینٹ پیٹرک گرامر اسکول سکندرآباد کے استاد برادر پیٹرک سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ حمایت اللہ اپنے استاد کے بارے میں کہتے ہیں کہ برادر پیٹرک اچھی سیرت اور شخصیت کے مالک تھے۔ ہمیشہ دوسروں کے کام آتے اور بچوں کو نیک ہدایات دیا کرتے تھے اپنے شاگردوں کے ساتھ مشفقانہ رویہ روا رکھتے تھے جسکی وجہ سے وہ بچوں میں مشہور تھے حمایت اللہ بھی ان کی ان ہی خوبیوں سے متاثر تھے کہ برادر پیٹرک نیک عادات و اطوار کے مالک مخلص استاد تھے ان کی ایک عادت حمایت اللہ کو بہت پسند تھی کہ یہ کھانا کھانے کے بعد عموماً میدان میں ٹہلا کرتے تھے۔

حمایت اللہ نے نذیر دہقانی ، سرور ڈنڈا ، علی صاحب میاں سلیمان خطیب وغیرہ کو سن کر اور ان سے متاثر ہو کر شاعری کی ابتدا کی۔ حمایت اللہ نے باضابطہ طور پر نہ ہی کسی سے اصلاح لی اور نہ کسی کی شاگردی اختیار کی۔ دکنی شعرا ء کا تتبع کرتے ہوئے اپنے لئے دکنی زبان کا انتخاب کیا۔ انہوں نے غالب کی طرح اپنے دیوان کو اپنا رہنما بنایا اور مشقِ سخن کے ساتھ ساتھ شعراء کے کلام کے مطالعہ کے ذریعہ اس فن شریف میں مہارت حاصل کی۔

تجارت :-

سلسلہ تعلیم کے منقطع ہونے کے بعد حمایت اللہ نے ملازمت اختیار کرنے کے بجائے تجارت کو ترجیح دی کیونکہ زمانہ طالب علمی ہی سے وہ اپنے بھائیوں کی مشترکہ سائیکل کرنگ اور ریپرنگ کی دکان پر بیٹھا کرتے تھے جس سے انہیں کچھ کچھ کاروبار کا اندازہ ہو گیا تعلیم کو خیرآباد کرنے کے بعد انھوں نے اپنا علحدہ کاروبار پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کانٹراکٹر کی حیثیت سے شروع کیا۔ خلوص دل سے کام کرنے لگے' انتھک محنت کی' خدا نے کاروبار میں برکت عطا کی اور اس کاروبار میں انھیں دن دونی اور رات چوگنی ترقی نصیب ہوئی۔ حمایت اللہ نے اس کاروبار میں ترقی کرتے ہوئے ۱۹۷۰ء تک اے کلاس گورنمنٹ کانٹراکٹر کی حیثیت سے اپنی الگ پہچان اور شناخت بنائی۔ اس کے علاوہ انھوں

نے روڈ رولرس، کریشر مشین وغیرہ کرائے پر دینے کا کام بھی شروع کیا۔ حمایت اللہ نے اپنے اس کاروبار سے نہ صرف خود ترقی کی بلکہ اپنے خاندان اصحاب اور عزیز و اقارب کو بھی فائدہ پہونچایا ہے انھوں نے اپنے بڑے بھائیوں کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ اپنے بھتیجوں کو اچھی تعلیم دلائی اور انھیں بیرونی ممالک میں روزگار دلاکر ان کے مستقبل کو سنوارنے میں بھی اہم رول انجام دیا۔ حمایت اللہ نے نہ صرف اپنے رشتہ داروں کی مدد کی بلکہ اپنے دوست احباب اور دوسرے احباب کی بھی مدد کی۔ ان کے بچوں کو بیرونی ممالک بھجواکر ان کے بہترین مستقبل کے ضامن بن گئے۔ حمایت اللہ نے اب کانٹراکٹر کے عہدے سے [illegible] ریٹائرمنٹ لے لیا ہے اور اب وہ صرف مشنریز کرائے پر دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود انھیں چین نہیں انھوں نے نچلا بیٹھنا سیکھا ہی نہیں وہ دوسری سرگرمیوں میں اپنے آپکو مصروف رکھتے ہیں۔ حمایت اللہ نے اپنی انتھک محنت لگن اور جستجو سے نہ صرف خود ایک اچھے اعلیٰ مقام پر متمکین ہیں بلکہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے چاہنے والوں کو بھی سوسائٹی میں معزز مقام پانے میں مدد بہم پہنچائی ہے۔

شادی:۔

محمد حمایت اللہ کی شادی ۲۲ مئی ۱۹۷۲ء کو ڈاکٹر رشید موسوی سے انجام پائی حمایت اللہ رشید موسوی شادی سے پہلے ہی سے ایک دوسرے سے متعارف تھے۔ حمایت اللہ کے بچپن کے ساتھی ابوالقاسم تھے جوکہ اُن کے ہم جماعت بھی تھے۔ دونوں انتہائی

سنتے رہتے اور اپنی سزارتوں کا نشانہ دوست احباب کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ کو بھی بنایا کرتے تھے ۔ ان سزارتوں کے پیچھے حمایت اللہ کا ذہن کارفرما ہوتا تھا ۔ چونکہ ابوالقاسم اور حمایت اللہ کا ایک دوسرے کے گھر آمدورفت روز کا معمول تھا اور اسی نسبت کی وجہ سے ان کے گھر میں بھی دونوں کی سزارتوں کا ذکر و تذکرہ ہوا کرتا تھا ۔ ابوالقاسم کے گھر حمایت اللہ کا تذکرہ کچھ زیادہ ہی رہتا تھا ۔ رشید موسوی سے حمایت اللہ کا غائبانہ تعارف پہلی مرتبہ ابوالقاسم ہی کے ذریعہ ہوا کہ وہ ابوالقاسم کی ہمشیرہ ہیں ۔

حمایت اللہ سے رشید موسوی کی پہلی ملاقات فائن آرٹس اکیڈمی کے دفتر (واقع بیچلرکوارٹرس معظم جاہی مارکٹ) میں ہوئی ۔ رشید موسوی اسوقت انٹرمیڈیٹ کی طالبہ تھی ۔ کالج کی بزم ادب اردو کے زیر اہتمام عموماً کلچرل پروگرامس ہوا کرتے تھے ۔ اسی طرح کے ایک کلچرل پروگرام کے لئے فائن آرٹس اکیڈمی کے فنکاروں اور شعراء کو مدعو کرنے کی غرض سے رشید موسوی اپنے پرنسپل صاحب کے ہمراہ فائن آرٹس اکیڈمی کے دفتر حاضر ہوئیں تھیں یہیں وہ پہلی دفعہ حمایت سے بالمشافہ متعارف ہوئیں ۔ دفتر میں حمایت اللہ کے علاوہ سرور ڈنڈا ، سلیمان اریب ، عزیز قیسی ، س ۔ ا ۔ عشرت ۔ اقبال قریشی اور ممتاز احمد موجود تھے ۔

رشید موسوی نے بی ۔ اے میں تعلیم حاصل کرنے کے زمانہ میں ڈاکٹر زینت ساجدہ اور

شہر بانو نقوی کی سرپرستی میں فائن آرٹس اکیڈمی کے فنکاروں کے کئی کامیاب کلچرل پروگرام منعقد کروائے ۔ ان پروگراموں میں سرور ڈنڈا اور حمایت اللہ چونکہ ہمیشہ کامیاب رہتے اس لئے ان دونوں کی شرکت لازمی ہوتی تھی ۔ فائن آرٹس اکیڈمی کے فنکار نہ صرف اپنے پروگرام پیش کیا کرتے تھے بلکہ کالج کی طالبات کو بھی ان جلسوں میں اپنا فن پیش کرنے میں مدد کیا کرتے تھے ۔ اُس زمانے میں طالبات عموماً قوالیاں اور غزل اسٹیج پر پیش کیا کرتے تھے ۔ جو فنکاران طالبات کی تربیت کرتے تھے ان میں قابل ذکر اقبال قریشی ، حمایت اللہ ، ممتاز احمد اور طبلہ نواز محسن لالہ شامل تھے ۔ ممتاز احمد غزلوں کی دھنیں تیار کرواتے ، اقبال قریشی ہارمونیم کے ساتھ کورس اور قوالیوں کی دھنیں طالبات کو سکھایا کرتے اور قوالیوں میں ایکشن حمایت اللہ بتایا کرتے تھے حمایت اللہ چونکہ بڑی خوبی سے کسی کی بھی ہو بہو نقل کرنے میں ماہر بلکہ ہر فن مولیٰ تھے اسی لئے قوالی کے ایکشن بھی وہی بتایا کرتے تھے کہ انھیں اس فن میں ملکہ حاصل ہے ۔ ویمنس کالج کے ان ہی پروگراموں میں حمایت اللہ اور رشید موسوی کی پہچان ہوئی اور پھر یہ دوستی میں بدل گئی ۔

رشید موسوی کے بڑے بھائی سید ابوالحسن اور سید ابوالقاسم کی دعوت پر گانے کی ایک محفل کے موقع پر پہلی مرتبہ حمایت اللہ کا رشید موسوی کے گھر جانا ہوا پھر یہ سلسلہ چل پڑا اور وہ رشید موسوی کے بڑے برادران اور ان کے بڑے بہنوئی سراج الحسن جعفری سے قریب ہوتے

گئے۔ ان محفلوں میں حایت اللہ کو بڑی پسندیدگی کے ساتھ سنا جاتا تھا۔ یہ محفلیں رات رات بھر چلا کرتی تھیں اور اختتام صبح صبح ہوتا تھا ان محفلوں میں فائن آرٹس اکیڈمی کے فنکار قوالیاں، غزلیں، اور مزاحیہ پروگرام پیش کیا کرتے تھے۔ ان پارٹیوں اور محفلوں میں حایت اللہ کی ملاقات رشید موسوی سے اکثر ہوا کرتی تھی لیکن دو انجان دوستوں کی طرح۔ اس سلسلہ میں رشید موسوی کہتی ہیں کہ "وہ شادی سے پہلے حایت اللہ کے متعلق اپنے دل میں ایسا کوئی خیال نہیں رکھتی تھی"۔ اور شاید ایسا کوئی خیال لایا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ ایک کٹر شیعہ گھرانے کی پروردہ لڑکی تھیں جن کے یہاں سات پشتوں سے مراسم عزاداری، نذر و نیاز کی مجلس اور ماتم وغیرہ کا اہتمام جزو لاینفک تھا۔ ایسے حالات میں دوسرے عقیدے سے تعلق رکھنے والے شخص سے محبت یا شادی کا خیال تو دور گمان بھی ممکن نہ تھا۔ ویسے بھی شروع ہی سے رشید موسوی ایک باوقار خاتون ہیں سنجیدگی اور بردباری جنکا خاصہ رہا ہے جو صرف اپنی پڑھائی اور دوسری سرگرمیوں سے دلچسپی رکھنے والی خاتون تھی۔ لیکن حایت اللہ کا معاملہ بالکل مختلف تھا چنانچہ ان ہی کی خاص ایما پر ان کے خاندان کے بزرگوں نے رشید موسوی سے رشتہ کی خواہش کی۔

رشید موسوی کے خاندان کے بزرگ تعلیم یافتہ واقع ہوئے تھے چنانچہ انھوں نے بجائے عقیدے کو ترجیح دینے کے حایت اللہ کی شریف النفسی اور انسانیت دوستی پر لبیک کہا

اوران کا رشتہ رشید موسوی کے لئے خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اسطرح حمایت اللہ کی شادی رشید موسوی کے ساتھ انجام پائی۔

حمایت اللہ نے شادی کے بعد رشید موسوی کو اس بات کی پوری طرح کھلی چھوٹ دیدی کے وہ اپنے عقیدے اور اس کے مراسم کو انجام دیں۔ اور آج شادی کے ۲۸ برس بعد الحمدللہ بفضل تعالیٰ یہ دونوں اپنے گھر اور خاندانوں کے ساتھ بنا کسی اختلاف، بخیر وخوبی زندگی گذار رہے ہیں۔

اشفاق حسین نے رشید موسوی اور حمایت اللہ کی شادی کے موقع پر مجتبیٰ حسین سے کہا تھا۔

"مجتبیٰ میں اسے حمایت اللہ اور رشید موسوی کی شادی نہیں
سمجھتا بلکہ اسے مرثیے اور مزاح کا ملاپ تصور کرتا ہوں"۔

مجتبیٰ حسین اپنے ایک معروف کالم میں اشفاق حسین کے اس جملہ کی تعبیر وتفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ان کے اس بلیغ تبصرے میں حیدرآبادی مزاح کا یہ نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ اچھا اور سچا مزاح وہی ہوتا ہے جو غموں اور مصائب کو اپنی ذات میں انگیز کر لینے کے بعد پیدا ہوتا ہے ایک ایسا مزاح جس میں پیدا ہونے والے قہقہہ کی پرتوں کو آپ کھولنے لگے تو انکھوں سے ٹپاٹپ آنسو ٹپک پڑیں۔ اور مرثیہ اور مزاح کے ملاپ کا یہ تجزیہ اتنا کامیاب ہوا کہ آج

حمایت اللہ نہ صرف ایک فرماں بردار مزاح نگار اور مزاح کار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں بلکہ ایک فرمابردار شوہر کی حیثیت سے بھی ان کا رتبہ بہت بلند ہے "[1]

حمایت اللہ معہ رشید موسوی دونوں نے اپنے گھر کو گھر بنانے میں بہت سی قربانیاں دی ہیں حمایت اللہ انتہائی ہمدرد انسان ہیں کبھی کسی کے غم اور دکھ کو دیکھ کر انجان نہیں رہ سکتے جسکی وجہ سے وہ اپنے آپکو اور کبھی کبھی اپنے گھر اور اپنی بیوی کو تک فراموش کر دیا کرتے تھے۔ ان کی اس عادت سے رشید موسوی صاحبہ بخوبی واقف نظر آتی ہیں اور ایسے موقعہ پر صبر وضبط سے کام لیتی ہیں۔ تب ہی گھر گھر بنتا ہے۔

حمایت اللہ کے کوئی اولاد نہیں انہوں نے رشید موسوی کے بڑے بھائی ابوالقاسم کے سب سے چھوٹی لڑکی فاطمہ موسوی کو اپنایا جو کہ اب ان کے گھر کا چراغ بھی ہے حمایت اللہ کے اس فیصلہ کو اُن کے خاندان والوں نے بھی خندہ پیشانی سے قبول کیا ہے۔ اب فاطمہ موسوی ہی حمایت اللہ اور رشید موسوی کی کل کائنات ہیں۔ فاطمہ موسوی نے بی کام کیا ہے اور Air Tickting کا ڈپلومہ بھی حاصل کیا ہے ان کی شادی لندن کے ایک علم دوست گھرانے میں مشہور شاعر عامر موسوی کے فرزند سید مجیب حسین موسوی سے انجام پائی۔

مجیب حسین موسوی الکٹریکل انجینئر ہیں اور سافٹ ویر پروگرامنگ کا ڈپلومہ بھی رکھتے ہیں فاطمہ موسوی اپنے گھر میں اپنے شوہر اور ساس سسر کی پیار و محبت کی چھاؤں میں خوشگوار

---

[1] مجتبیٰ حسین "رخ سے حیدرآباد حمایت اللہ اور حسن مزاح" مضمون مشمولہ دلفریدی صفحہ ۲۱

اور آسودہ حال زندگی گذار رہی ہیں۔ فاطمہ موسوی کے ایک لڑکی اور دو لڑکے ہیں یہ تینوں بچے نہ صرف فاطمہ موسوی اور مجیب حسین موسوی کی کل کائنات ہیں بلکہ حمایت اللہ اور رشید موسوی کے آنکھوں کے تارے بھی ہیں۔

—

شخصیت کی تعریف کرتے ہوئے آل احمد سرور نے اسے انانیت کے بانکپن یا وضعِ خاص کا نام دیا ہے وہ لکھتے ہیں ۔۔

"شخصیت صرف انانیت کا نام نہیں ہے بلکہ انا نیت کے بانکپن یا وضع خاص کا نام ہے جو سختی و سستی اور رنج و راحت میں یکساں جلوہ دکھاتی ہے جو ہموار قدم اور تیز جست، روزمرہ کے معمول کی سلاست روی میں اسی امتیازی شان میں ظاہر ہوتی ہے جو ستر پردوں سے چھن کر بھی اپنا حسن دکھاتی ہے جو سامنے ہوتے ہوئے بھی کہیں اور ہوتی ہے" لے

شخصیت کی تعریف کے متعلق آکسفورڈ ڈکشنری میں لکھا ہے :۔

"وہ صفت یا صفات کا مجموعہ جو ایک شخص کو دوسرے شخص سے ممتاز کرتا ہے مخصوص، ذاتی یا انفرادی کردار خصوصاً جب وہ ایک نمایاں قسم کا ہو" ۲ے

شخصیت کے متعلق کی گئی ان تعریفوں کی روشنی میں جب ہم حمایت اللہ کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں

لے پروفیسر آل احمد سرور "شاعری میں شخصیت" مضمون مشمولہ " فن اور تنقید" مرتبہ انور کمال حسینی صفحہ ۷۱

۲ے بحوالہ آکسفورڈ ڈکشنری - لندن

تو وہ ان تمام صفات کے حامل نظر آتے ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں ۔ حمایت اللہ ہمہ صفت وہمہ جہت شخصیت کے مالک انسان ہیں اور ان کے اندر وہ تمام صفات اور خوبیاں موجود ہیں جو ایک کامیاب اور مکمل انسان میں ہونی چاہئے ان ہی خصوصیات کی بناء پر حمایت اللہ کی شخصیت دوسروں سے ممتاز و ممیز نظر آتی ہے ۔

حمایت اللہ کی مثالی شخصیت اور ان کے صفات عالیہ کے بارے میں مصطفیٰ کمال کہتے ہیں ۔

"بہت اچھے ، پر خلوص انسان کا نام حمایت اللہ ہے جو اپنے اندر
تمام انسانی خوبیاں اور صفات رکھتے ہیں Humanitarian
کی ساری خصوصیات ان کے اندر موجود ہیں" ۱؎

کسی بھی انسان کی شخصیت اسکے کردار کی آئنہ دار ہوتی ہیں جس میں خوبیاں اور خامیاں دونوں شامل رہتے ہیں اگر کسی انسان میں زائد خوبیاں ہوں تو پھر اسکی خامیاں اور کمزوریاں اسکی خوبیوں کے عکس میں چھپ جاتی ہیں ۔ حمایت اللہ بہ حیثیت انسان اپنے اندر کچھ خامیاں بھی رکھتے ہیں لیکن ان کی یہ خامیاں اور کمزوریاں ان کی شخصیت کو مجروح کرنے والی نہیں ہے کہ یہ تو ہر انسان کی سرشت میں داخل ہوتی ہیں ۔ جیسے غلط بات پر غصہ کرنا وغیرہ ۔ حمایت اللہ سچے ، مخلص ، ہمدرد اور محبت کرنے والے زندہ دل انسان کا نام ہے ان کے رگ و پے میں بذلہ سنجی اور لطافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے حالی نے یادگار غالب میں غالب کی بذلہ سنجی کا بیان کرتے ہوئے انھیں "حیوان ظریف" لکھا ہے

۱؎ مصطفیٰ کمال سے شخصی انٹرویو بتاریخ ۱۹ جون ۲۰۰۲ بمقام دفتر شگوفہ حیدرآباد

عصرِ حاضر میں حیوانِ ظریف کی بہترین مثال ہمیں جناب حمایت اللہ میں نظر آتی ہے بہ حیثیت انسان اور بحیثیت شاعر حمایت اللہ کے پاس ہر چیز میں فطری پن ملتا ہے ان کی شخصیت تصنع و ملمع سازی سے پاک ہے ان کی انھیں خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اشرف رفیع کہتی ہیں

"حمایت اللہ اچھے، سچے، ہمدرد اور محنت کرنے والے انسان ہیں ان کی شاعری بھی ان کی شخصیت کی آئینہ دار ہیں۔" ۵۱

حمایت اللہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ خلوص سے پیش آتے ہیں کیا اپنا اور کیا غیر وہ ہر دم دوسروں کی مدد کے لئے تیار رہتے ہیں ہمیشہ دوسروں کے کام آنا اپنا فرض سمجھتے ہیں ان کی شخصیت کا روشن پہلو یہ بھی ہے کہ دوسروں کو کچھ دیا ہے لیکن کبھی کچھ لینا انھیں پسند نہیں اور اسی لئے انھوں نے کبھی دوسروں سے اپنی توقعات وابستہ نہیں کی وہ اپنے بل بوتے پر محنت اور لگن کے ساتھ ہر چیز حاصل کرنے کو اولیت دیتے ہیں حمایت اللہ کے اس وصف خاص کے بارے میں ڈاکٹر زینت ساجدہ فرماتی ہیں

"حمایت اللہ انتہائی مخلص انسان ہیں محنت اور لگن سے کام کرنے والے شخص ہیں ہر ایک سے ان کی اس نیچی ہے کہ وہ ہر ایک کے کام آتے ہیں اور کسی سے توقعات وابستہ نہیں کرتے" ۵۲

ڈاکٹر رشید موسوی حمایت اللہ کو ہمدردانہ اور مخلصانہ طبیعت کے مالک شخص قرار دیتی ہیں ان کی شخصیت کا مکمل احاطہ کرتے ہوئے اور ان کی خوبیوں کو سراہتے ہوئے فرماتی ہیں :-

"چھ فٹ چار انچ قد اور اچھے صحت کے مالک ۹۲ کیلو وزن رکھنے والے شخص کے بارے میں عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بہت سخت اور

---

۵۱ ڈاکٹر اشرف رفیع سے شخصی انٹرویو بتاریخ ۵ جون ۲۰۰۲ بمقام دبیر پورہ

۵۲ ڈاکٹر زینت ساجدہ سے شخصی انٹرویو بتاریخ ۱۹ جون ۲۰۰۲ بمکان خیریت آباد

گھمنڈی، اپنے آپکو سب کچھ سمجھنے والا ہو سکتا ہے لیکن ایسی
کوئی بات نہیں۔۔۔ حمایت اللہ انتہائی مخلص، محبت کرنے
والے دوسروں کے کام آنے والے، دوسروں کو آگے بڑھاکر ان کی
فیلڈ میں ان کو ابھارنے کی کوشش کرنے والے خواہ اس سلسلے
میں ان کو خود کیوں نہ پیچھے ہٹ جانا پڑے ایسی خوبیوں کے حامل
انسان کی شخصیت قابل تعریف ہونی چاہئے۔ [۵۱]

رشید موسوی کے اس بیان سے ہم حمایت اللہ کی جسامت کا اندازہ بھی بخوبی لگا سکتے ہیں. حمایت اللہ قد آور شخصیت کے مالک انسان ہیں. لیکن اپنی اس بلند قامتی کے باوجود وہ اپنے گھر میں چنو کے نام سے جانے جاتے ہیں ان کی بلند قامتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر زینت ساجدہ لکھتی ہیں.

حمایت اللہ چنو ہونے کے باوجود لمبا تڑنگا ہاتھ پاؤں کا توانا
شاندار آدمی ہے جو محفلوں اور مشاعروں میں اپنی دکنی شاعری
ہی کی وجہ سے نہیں اپنے قد و قامت کی وجہ سے بھی چھا جاتا
ہے۔ [۵۲]

حمایت اللہ کی بلند قامتی ہی کی بناء پر انھیں مشاعروں میں "دکنی طنز و مزاح کے قطب مینار" کے لقب سے متعارف کروایا جاتا ہے۔ حمایت اللہ کی بلند قامتی نے انھیں بسا اوقات فائدہ بھی پہنچایا ہے ایک واقعہ

---

۵۱ ڈاکٹر رشید موسوی سے شخصی انٹرویو بتاریخ ۵ جون ۲۰۰۲ بمکان ماناصاب ٹینک

۵۲ ڈاکٹر زینت ساجدہ "تو دکنی ہے پیارے دکھنیچ بول" مضمون مشمولہ "دھنڈری" مجموعے کلام حمایت اللہ صفحہ ۲۶

ہے کہ حیدرآباد میں انگریزی فلم "Ten tall men" کی نمائش ہو رہی تھی۔ سینما گھر کے مالکین نے یہ تجویز رکھی تھی کہ دراز قد ناظرین کو بلا ٹکٹ فلم دیکھنے کی اجازت دی جائیگی۔ حمایت اللہ نے اس تجویز سے بھرپور فائدہ اٹھایا چنانچہ انھوں نے اپنی بلند قامتی سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے قد کو پروانہ راہداری بنا کر فلم دیکھنے چلے جایا کرتے۔

حمایت اللہ کی دراز قامتی اور ان کی عرفیت چنو بعض وقت ان کیلئے تکلیف کا باعث بھی بن جایا کرتی ہے۔ ایک دفعہ حمایت اللہ جب فلم دیکھنے سینما تھیٹر پہونچے تو دیکھا کہ سامنے کی صف میں بڑے بھائی بھی موجود ہیں کچھ دیر بعد جب پیچھے کی صف سے کسی منچلے نوجوان نے مزاحیہ انداز میں آواز لگائی کہ یہ ساٹ فٹ کے نوجوان کا نام خدا جانے چنو کس نے رکھ دیا۔ حمایت اللہ کے بھائی نے جب یہ سنا تو برافروختہ ہو کر پلٹے اور غصیلہ لہجے میں کہا کہ ہم جب تک زندہ ہے وہ سچ مچ کا چنو ہے آپ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

حمایت اللہ کے دراز قامت ہونے کا بیان کرتے ہوئے مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں

"ماشاءاللہ حمایت اللہ نے ایسا دراز قد پایا ہے کہ جو کوئی بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے احساس کمتری میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا (سوائے قطب مینار کے)" [1]

کردار :۔

حمایت اللہ دھیمے اور سنجیدہ مزاج کے سلجھے ہوئے انسان ہیں وہ مزاجاً خاموش طبع اور کم گو

---

[1] مجتبیٰ حسین ح سے حمایت اللہ، حیدرآباد، اور حسِ مزاح مضمون مشمولہ دعفری مجموعہ کلام حمایت اللہ صفحہ ۱۸

فطرت کے حامل ہیں لیکن حسِ مزاح ان کی فطرت میں داخل ہے ان کے مزاج میں مزاح کا عنصر پیدائشی ہے ان کی خاموشی میں بانکپن اور مزاج میں شرارت موجود ہے۔ بچپن میں وہ ہر ایک کو اپنی شرارت کا نشانہ بنایا کرتے تھے جس سے ان کے اساتذہ بھی بچ نہیں پاتے یہاں تک کہ انھوں نے مسجد کے مؤذن کو بھی (جو بہت سخت مزاج تھے) نہیں چھوڑا۔

حمایت اللہ کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ "حمایت اللہ کے دائیں پیر میں موچ آ گئی تھی اور ان کو بہت تکلیف ہو رہی تھی ان کی اس تکلیف کو دیکھ کر ان کے والد نے ان کے پیر کی مالش کروانے کے لئے جراح بلا لائے حمایت اللہ نے تکلیف کے ڈر سے یہ کیا کہ مجروح دائیں پیر کے بجائے بایاں پیر اسکے آگے کر دیا اور وہ اسکی مالش کر رہا ہے حمایت اللہ کہتے ہیں کہ وہ رگڑ رانے رگڑ رہا ہے اور ہم خاموش بیٹھے اسکو دیکھ رہے ہیں اور دل میں سوچ رہے ہیں کہ اس بچارے کو کیا معلوم کے مجروح پیر دوسرا ہے" ۵۱

ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیے کہ اس وقت حمایت اللہ کے علاقے میں جو پوسٹ مین آیا کرتا تھا اسکا نام غفور تھا اور شریر بچوں کی ایک ٹولی جس میں حمایت اللہ بھی شامل تھے ان کو "ڈنڈ غفور" پکارا کرتے تھے ایک وقت حمایت اللہ غفور صاحب کی آمد پر ایک لڑکے کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ دیکھو وہ جو آدمی سامنے کھڑا ہے اسے زور سے او غفور اے او ڈنڈ غفور پکارو" ۵۲

حمایت اللہ اپنی اس شریر فطرت کی وجہ سے اسکول میں بھی خاموش نہیں بیٹھ سکتے تھے اور وہاں پر بھی طرح طرح کی شرارتیں کرتے تھے حمایت اللہ کی شرارتوں میں عمر کے ساتھ ساتھ بدلاؤ آتا گیا۔

---

۵۱ حمایت اللہ سے شخصی انٹرویو بتاریخ ۱۲ مئی ۲۰۰۲ بمکان مانصاب ٹینک

۵۲ ایضاً

بچپن کی شرارتیں جو کبھی ادب کے دائرے سے باہر ہوتی تھی بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ یہ تمام شرارتیں آہستہ آہستہ طنز و مزاح کا روپ اختیار کر لیتی ہیں

حمایت اللہ کی اس چلبلی فطرت کے بارے میں مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں :-

"حمایت اللہ ایک ایسے چلبلے شخص کا نام ہے جس نے نچلہ بیٹھنا سیکھا ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ خدانخواستہ اگر کسی جنازے میں شرکت کرنا پڑ جائے تو میں میت اور حمایت دونوں سے حتی الامکان دور رہتا ہوں" ۵۱

مجتبیٰ حسین کے حمایت اللہ کے ساتھ کسی جنازے میں شرکت سے پرہیز کی وجہ دراصل ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ ایک دفعہ" مجتبیٰ حسین اور حمایت اللہ نے ایک جنازے میں شرکت کی میت کو قبر میں اتارنے کے بعد آخری دیدار کے لئے جب کفن ہٹایا گیا تو ایک بہی خواہ نے کہا " ذرا چہرہ تو دیکھئے لگتا ہے مرحوم کسی بات پر مسکرا رہے ہیں" مجتبیٰ حسین بھی دیدار کرنے والوں میں شامل تھے انھیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ حمایت اللہ بقول مجتبیٰ حسین کے اپنی" زراف کی طرح کی گردن" نکال کر میت کے آخری دیدار میں مصروف ہیں جیسے ہی بہی خواہ نے یہ الفاظ ادا کئے حمایت اللہ نے فوراً سرگوشی کے انداز میں بہی خواہ سے کہنے لگے کہ جی ہاں یقیناً مسکرا رہے ہیں بلکہ اس بات پر خوش ہیں کہ آپ جیسے اوباشوں سے نجات مل گئی" ۵۲

---

۵۱ مجتبیٰ حسین " ھ سے حیدرآباد" حمایت اللہ اور حس مزاح" مضمون مشمولہ دھنک صفحہ ۱۹

۵۲ بحوالہ مجتبیٰ حسین ایضاً

حمایت اللہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ حاضر جواب ہیں ان کی اس حاضر جوابی میں طنز و مزاح دونوں شامل ہوتے ہیں ایک مثال اوپر درج کی جا چکی ہے ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیے جس میں ان کی حاضر جوابی میں مزاح کے پہلو کی وضاحت ہوتی ہے

جناب ڈاکٹر رحمت یوسف زئی فرماتے ہیں کہ "حمایت اللہ، ڈاکٹر رحمت یوسف زئی اور ان کے دوسرے ساتھی حاجیوں کو الوداع کہنے کے لئے نامپلی اسٹیشن پر گئے وہاں پر پروفیسر سید مجاور حسین رضوی صاحب بھی موجود تھے انہوں نے کہا کہ میں امام ضامن لانا تو بھول ہی گیا چونکہ حج کو جانے والوں کی تعداد زیادہ تھی مجاور صاحب کی بات پر حمایت بھائی فوراً بولے کہ اتنے لوگوں کو امام ضامن کہاں باندھتے حصار باندھ دیجئے" لہ

حمایت اللہ اپنے دراز قامتی کے باوصف بہت نازک جذبات اور احساسات رکھنے والے شخص ہیں یوں تو ہر شاعر اور ہر ادیب حسّاس ہوتا ہے زندگی کا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اسے متاثر کئے بغیر نہیں رہتا لیکن حمایت اللہ بے انتہا حسّاس واقع ہوئے ہیں ان کی حساسیت کا یہ عالم ہے کہ وہ کسی کی تکلیف تو کجا کسی کے آنسو بھی برداشت نہیں کر سکتے یہ بات اور ہے کہ حمایت اللہ اپنے جذبات کو ہمیشہ پردہ حجاز میں رکھنے کے قائل ہیں وہ اپنے جذبات و احساسات کا کبھی کھل کر اظہار نہیں کرتے۔

حمایت اللہ کی شخصیت میں لاابالی پن بھی موجود ہے اس دراز قد انسان کے کردار میں بہت ساری خوبیوں کے ساتھ ساتھ یہ خامی بھی پائی جاتی ہے کہ وہ لاپرواہ قسم کے انسان ہے اپنی کوئی چیز سنبھال کر نہیں رکھتے ہر چیز ادھر ادھر ڈال دیتے ہیں اور جب اسکی انھیں ضرورت پیش آتی ہے تو

لہ ڈاکٹر رحمت یوسف زئی سے شخصی انٹرویو بتاریخ ۱۱ اپریل بمکان جناب حمایت اللہ مانصاب ٹینک

پریشان ہوکر ڈھونڈتے پھرتے ہیں ان کا یہ رویہ اپنی تخلیقات کے سلسلے میں کچھ زیادہ ہی ہے چنانچہ انھوں نے اپنے اشعار اور نظمیں کبھی حفاظت سے نہیں رکھی یہ تو رشید موسوی کی ذات کا فیضان ہے کہ انھوں نے حمایت اللہ کے تمام بکھرے کلام کو اکھٹا کیا اور ترتیب دے کر شائع کروایا۔ حمایت اللہ کی اس لاپرواہ طبیعت کی وجہ سے انھیں یہ نقصان بھی ہوا ہے کہ ان کا بہت سارہ شعری سرمایا گم ہوگیا جو کچھ بچا وہ مجموعہ کی شکل میں موجود ہے حمایت اللہ کی اس لا پرواہ طبیعت کے بارے میں رشید موسوی کہتی ہیں کہ حمایت بہت لاپرواہ اور لاابالی انسان ہے کسی بھی چیز کو حفاظت اور سلیقے سے نہیں رکھتے چیزیں ادھر ادھر رکھ دیتے ہیں اور ضرورت کے وقت پریشان ہوتے اور ڈھونڈتے پھرتے ہیں" [1]

رشید موسوی صاحبہ نے اپنے انٹرویو میں حمایت اللہ کی شخصیت کے مختلف اور متضاد پہلوؤں پر دوٹوک انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔ حمایت اللہ کی لاپرواہی کا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے حمایت اللہ کے کردار کے "ضدی" پن کا بیان بھی کیا۔ فرماتی ہیں:۔

حمایت اللہ بہت ضدی طبیعت کے مالک ہیں اپنی ضد کے آگے وہ
کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اگر کوئی کام ان کو سمجھ میں آجائے اگر
اس میں ان کو نقصان بھی پہونچنے والا ہو وہ اسے انجام دے
کر رہیں گے اگر کوئی اسکی مخالفت کرے تو وہ اس پر کان نہیں دھریں
گے اور اپنا کام پورا کرکے ہی چھوڑیں گے اس ضدی پن کی وجہ

---

[1] ڈاکٹر رشید موسوی سے شخصی انٹرویو ۵ جون ۲۰۰۲

سے حمایت اللہ کو کئی بار نقصان ہوا پھر بھی وہ اسطرح کے کام

کرنے سے باز نہیں آتے ۵۱

حمایت اللہ کی طبیعت میں غصّہ تو بہت ہے لیکن ان کے پاس صبر و ضبط کا مادہ اس سے بہت زیادہ ہے کسی بھی چیز پر وہ غصّہ سے زیادہ ضبط کو آزماتے ہیں ان کی طبیعت میں صلح جوئی کا عنصر بہت زیادہ ہے ۔

حمایت اللہ ایک بڑے شاعر اور آرٹسٹ ہونے کے باوجود فطرتاً سیدھے سادھے انسان ہیں تصنع اور بناوٹ ان کی طبیعت سے کوسوں دور ہے حمایت اللہ نے زیبائش و آسائش کو کبھی اہمیت نہیں دی معاملہ چاہیے لباس کا ہو کہ غذا کا وہ سادگی کو اولین ترجیح دیتے ہیں ۔ حمایت اللہ عام طور پر گھر میں کرتا پاجامہ زیب تن کئے ہوئے ہوتے ہیں اور گھر سے باہر جاتے وقت شرٹ پینٹ استعمال کرتے ہیں ۔ کھانے سے بھی ان کو زیادہ رغبت نہیں ہے ہر ذائقہ دار چیز ان کو پسند ہے اور عام طور پر گھر میں جو مل گیا وہ کھا لیتے ہیں ۔

حمایت اللہ کو فضول خرچی مطلق پسند نہیں ۔ فضول خرچی کے برخلاف لوگوں کی مدد کرنے کو وہ اولین ترجیح دیتے ہیں ۔ اس معاملے میں کافی سے زیادہ دریادل واقع ہوئے ہیں ڈاکٹر رشید موسوی کا کہنا ہے کہ "ان کے گھر سے کوئی حاجت مند مایوس نہیں لوٹتا" ۵۲

دلچسپیاں :۔

حمایت اللہ کو بچپن ہی سے اسٹیج ڈراموں سے دلچسپی تھی اب اس دلچسپی نے ٹی وی اور

---

۵۱ ڈاکٹر رشید موسوی سے انٹرویو بتاریخ ۵ جون ۲۰۰۲

۵۲ ایضاً

فلم میں بحیثیت ایکٹر کام کرنے کی صورت اختیار کر لی ہے ایکٹنگ کے علاوہ حمایت اللہ کو کھیلوں سے بھی کافی دلچسپی رہی ہے حمایت اللہ کا پسندیدہ کھیل فٹ بال ہے اور وہ فٹ بال کے پلیر بھی رہے چکے ہیں نظام کلب کی جانب سے کھیلے جانے والے فٹ بال مقابلوں میں بھی انھوں نے حصہ لیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف مقامات پر حمایت اللہ نے اپنے کلب کی نمائندگی کی ہے فٹ بال کے علاوہ حمایت اللہ شطرنج سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں اور شطرنج اچھا کھیل لیتے ہیں حمایت اللہ کو موسیقی سے بھی کافی لگاؤ ہے شائد یہی وجہ ہے کہ حمایت اللہ گھریلو محفلوں میں ڈھول بہت اچھا بجاتے ہیں۔ ان تمام دلچسپیوں کے باوصف ڈرامے سے انھیں لگاؤ ہی نہیں عشق ہے انھیں ڈراموں کو نہ صرف اسٹیج کرنا پسند ہے بلکہ اسکو ڈائرکٹ کرنا اور ان میں اداکاری کرنا پسند ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اداکاری کے علاوہ اسٹیج کی ہدایت کاری کے فرائض بھی بخوبی انجام دئیے ہیں۔

دوست واحباب :-

حمایت اللہ کے قریبی دوستوں میں دو نام بہت اہم ہیں محمد یوسف اور رحیم (حمایت اللہ کے یہ دونوں دوست بعد از پاکستان کے شہری ہوگئے یہ دونوں بقید حیات نہیں ہیں) ان احباب کے علاوہ حمایت اللہ کے قریبی دوستوں میں اقبال قریشی اور ممتاز احمد کا شمار ہوتا ہے۔ حمایت اللہ نے ان دو اصحاب کے ساتھ مل کر ہی فائن آرٹس اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ حمایت اللہ کے یہ دونوں دوست اس دارفانی سے کوچ کر چکے ہیں شائد یہی وجہ ہے کہ حمایت اللہ اپنے آپکو کچھ کچھ اکیلا محسوس کرنے لگے ہیں حمایت اللہ کے ایک اور دوست ان کے بچپن کے ساتھی اور ہم جماعت جناب ابوالقاسم ہیں جس کے ساتھ

مل کر حمایت اللہ اکثر شرارتیں کیا کرتے تھے۔

حمایت اللہ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دوستوں میں گذارا۔ چونکہ حمایت اللہ زندہ دل شخص ہیں اسلئے ہر وقت دوسروں کو ہنساتے اور خود بھی ہنستے رہتے ہیں وہ دوسروں کے دکھ پر بھی ایسے ہی متاثر ہوتے ہیں جیسے یہ انھیں کا دکھ ہو۔

مصطفیٰ کمال حمایت اللہ کی شخصیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے ان کی شخصیت اور کردار کو ان الفاظ میں سراہتے ہیں۔

"بہ حیثیت شخص، محبت آمیز شخصیت کے مالک ہیں زندگی ساری دوستوں میں گذار دی، زندہ دلی ان کی اپج ہے ان کی فطرت ہے ان کی شخصیت کے رگ و پے میں زندہ دلی کا خون اچھلتا کودتا نظر آتا ہے۔ ہمیشہ ہنستے بولتے رہتے ہیں وہیں کسی کے دکھ پر بھی اتنے ہی متاثر ہوتے ہیں۔ دوستوں کی مدد کے لئے تو ہر وقت تیار رہتے ہیں حمایت اللہ ہر اعتبار سے بہترین اور اچھے دوست ہیں" ۵۱

حمایت اللہ کی صلح کل طبیعت اور دوستی کو برقرار رکھنے اور دوستوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک روا رکھنے کی خوبی کا بیان کرتے ہوئے مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں۔

"حمایت اللہ پریم، محبت، رواداری، یگانگت اور صلح کل کی

---

۵۱ مصطفیٰ کمال سے شخصی انٹرویو بتاریخ ۱۹ جون ۲۰۰۲

پالسی پر یقین رکھتے ہیں کہیں دو دوستوں میں لڑائی ہو جائے
تو یہ فوراً ان کے بیچ صلح صفائی کرانے کو کود پڑتے ہیں" [51]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :—

"حیدرآباد کے سارے فنکاران سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور
وہ صحیح معنوں میں دوستوں کے دوست ہیں۔ کسی دوست کی
طبیعت خراب ہو جائے یا کوئی دوست مشکل میں گرفتار ہو جائے
تو یہ اس وقت تک مشکل کشائی فرماتے رہتے ہیں۔ جب
تک کہ دوست کی مشکلات میں کمی اور خود ان کی مشکلات
میں اضافہ نہ ہو جائے" [52]

حمایت اللہ کے کردار کے یہ روشن پہلو ہمیں اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ وہ ہر اعتبار سے بہترین شخصیت کے مالک انسان ہیں ہر ایک کے دکھ درد کے ساجھدار، ہمدردی و سلوک کے پیکر، محبت وفاداری کے علمبردار، رواداری، یگانگت اور صلح کل پالسی پر یقین کامل رکھنے والے بہترین انسان ان کی انہی خوبیوں نے انھیں حیدرآباد کی تہذیبی دنیا میں ہر دل عزیز شخصیت کا مالک بنا کر ممتاز مقام پر فائز کیا ہے۔

---

[51] مجتبیٰ حسین "ح سے حیدرآباد، حمایت اللہ اور حسن مزاح" مضمون مشمولہ دھنک رُت صفحہ ۱۹

[52] ایضاً صفحہ ۲۰

باب سوم

طنز و مزاح اور حمایت اللہ

چھوٹے نواب 'ڈرامے 'ٹی وی سیریلس 'فائن آرٹس اکیڈمی '

زندہ دلان حیدرآباد 'شاعری کا آغاز 'مشاعروں میں شرکت ' بیرونی ممالک کا سفر

حمایت اللہ ایک فطری اداکار ہیں۔ انھیں اپنی حرکات سے مزاح پیدا کرنے کا ہنر (نقل اتارنا) اور پر لطف انداز میں لطیفہ سنانے کا سلیقہ اپنے والدہ محترمہ سے ورثہ میں ملا۔ وہ بچپن ہی سے شریر طبیعت کے واقع ہوئے تھے۔ اداکاری کا شوق و ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ ابھی ہائی اسکول میں تعلیم پا رہے تھے کہ اپنے دو ساتھیوں کی مدد سے تعلیم کی اہمیت و افادیت کے موضوع پر ایک مختصر ڈرامہ (SKIT) پر مزاح انداز میں اسٹیج کیا۔ فن کی داد ملی حوصلہ بڑھا پھر تو حوصلے کی پرواہ کئے بغیر حمایت اللہ نے اسٹیج کو اپنایا۔ اور حیدرآباد کے ڈرامے کی دنیا میں اپنے مختصر ڈراموں مزاحیہ خاکوں کے ذریعہ اپنے فن کا لوہا منوایا۔

محمد حمایت اللہ نے اپنی زندگی میں لاتعداد ڈراموں اور خاکوں میں صرف اداکاری کے جوہر ہی نہیں دکھائے بلکہ ان کی ہدایت کاری کے فرائض بھی ادا کئے۔ جن خاکوں میں انہوں نے مزاحیہ کردار ادا کئے ان میں خاکہ " چھوٹے نواب" کو بے مثال مقبولیت و شہرت نصیب ہوئی اور اس خاکہ کا مرکزی کردار بھی "چھوٹے نواب" اسم با مسمیٰ بن گیا جسے عالمی شہرت حاصل ہوئی۔

محمد حمایت اللہ نے استاد اور شاگرد کو موضوع بنا کر ایک مزاحیہ خاکہ لکھا۔ جیسے وہ اسٹیج کرنا چاہتے تھے۔ استاد کے کردار میں نستعلیق استاد کو پیش کیا گیا تھا جسے اپنے شاگردوں کو تعلیم دینے سے زیادہ اپنی تنخواہ میں دلچسپی زیادہ تھی۔ اور شاگرد کا کردار حیدرآباد کے جاگیرداری طبقہ سے تعلق رکھتا تھا جس کی پرورش بڑے نازونعم میں ہوئی تھی۔ حمایت اللہ کے دوست عزیز قریشی جو کہ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد میں ملازم تھے نے جب یہ خاکہ سنا تو انھوں نے اس کا نام "چھوٹے نواب"[۵۱] تجویز کیا۔

چھوٹے نواب :۔

آل انڈیا ریڈیو اور نشرگاہ نمائش سے نشر کیا جانے والا خاکہ "چھوٹے نواب" اپنی مقبولیت کی ایک تاریخ رکھتا ہے۔ اس خاکہ کا شہرہ ایک زمانہ میں زبان زد خاص و عام رہا ہے۔ اس خاکے کی مقبولیت اور عوام میں اس کی پسندیدگی کا بیان کرتے ہوئے حیدرآباد کے ممتاز صحافی جہاندار افسر صاحب فرماتے ہیں :۔

> "نمائش کے لوڈ اسپیکر کے سامنے "چھوٹے نواب" کے
> پروگرام کو سننے کے لیے لوگ لاکھوں (کئی ہزاروں) کی
> تعداد میں جمع ہو جاتے تھے"۔ ۵۱

"چھوٹے نواب" کے پروگرام سے لوگوں کی دلچسپی کا بیان کرتے ہوئے پروفیسر رحمت یوسف زئی فرماتے ہیں۔

---

۵۱ محمد حمایت اللہ نے بتایا کہ عزیز قریشی کے ذہن میں یہ نام آنے کی وجہ یہ تھی کہ ریڈیو اسٹیشن سے وابستہ ایک معروف وائلن نواز اکثر اپنی نجی محفلوں میں چھوٹے بچوں کی آواز نکال کر مزاح پیدا کیا کرتے تھے ——— محمد حمایت اللہ بتاتے ہیں کہ عزیز قریشی نے خاکے کے نام کی جو توجیہہ کی تو ان کے ذہن میں شاگرد کے کردار کی پیش کش کا سارا تصور مکمل انداز میں یکلخت آیا — رفعت

۵۲ جہاندار افسر سے شخصی انٹرویو بتاریخ ۲۲ مئی

"مزاح سے دلچسپی کی وجہ سے حمایت اللہ نے چھوٹے نواب
کا کردار دیڈیوں پر کیا اس میں کئی لوگ شامل تھے لیکن
چھوٹے نواب اتنا مقبول ہوا کہ بعد میں اس عنوان سے
فلم بھی بنی۔۔۔۔ یہ پروگرام ایک زمانے تک مقبول عام
رہا ہے۔۔۔ ایگزیبیشن نشر گاہ سے جب یہ پروگرام نشر
ہوتا تو لوگ اپنی اپنی جگہ پر رک جاتے اور پروگرام کو دلچسپی
اور پسندیدگی کے ساتھ سنا کرتے تھے" [۵۱]

"چھوٹے نواب" ایک مزاحیہ خاکہ ہے جس میں رئیس گھرانوں کے بچوں کے بیجا لاڈ پیار اور تعلیم سے غفلت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ۱۹۴۸ء کے بعد حیدرآباد کے بیشتر مسلم رؤسا اور جاگیرداروں کے یہاں تعلیم سے دلچسپی کا جذبہ مفقود ہو چلا تھا۔ جسکی وجہ سے بچوں کی تعلیم متاثر ہو رہی تھی۔ حمایت اللہ نے اپنی دوررس نگاہوں سے زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھا اور ایک معمولی مزاحیہ خاکے کے ذریعہ اپنے "اجڑے دیار" کے باسیوں کو تعلیم کی اہمیت وافادیت سے آگاہ کرنے کی بروقت سعی وجستجو کی۔

"چھوٹے نواب" خاکے کی کہانی بس اتنی ہے کہ ایک رئیس زادے کو ایک استاد ٹیوشن پڑھانے آتے ہیں۔ استاد کو تنخواہ سے اور رئیس زادے کو کھیل کود سے غرض ومطلب ہے۔ چنانچہ پڑھائی کے بجائے ادھر ادھر کی فضول باتوں میں وقت گذارا جاتا ہے۔

---

[۵۱] پروفیسر رحمت یوسف زئی سے شخصی انٹرویو بتاریخ ۱۰ اپریل ۲۰۰۲ء

چند مکالمے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں تاکہ خاکے کی کہانی اور موضوع کا اندازہ ہو سکے۔

شاگرد۔ (استاد سے) مولوی صاحب کل آپ ایک بکری کو

لے جا رہے تھے وہ رو کیوں رہی تھی۔

استاد۔ (شاگرد سے) اس لئے رو رہی تھی بیٹا کہ میں اس کو

گھسیٹ کر لیے جا رہا تھا نا۔

شاگرد۔ اچھا یہ بات ہے! میں سمجھا آپ اسکو بھی پڑھانے

لے جا رہے شاید اس لئے وہ رو رہی تھی۔

خاکے سے ایک اور ٹکڑا ملاحظہ ہو :—

(استاد گھر میں داخل ہوئے چھوٹے نواب آئے اور استاد

کے سامنے بیٹھ گئے کچھ ہی دیر بعد چھوٹے نواب چیخ چیخ کر رونا

شروع کر دیتے ہیں اب استاد پریشان کہ آواز کہیں باہر

نہ چلی جائے کہ ملازمت ہاتھ سے چلی جائے گی گھبرا کر

چھوٹے نواب سے پوچھتے ہیں)

استاد۔ چھوٹے نواب چھوٹے نواب کیوں رو رہیں۔

(چھوٹے نواب اور زور سے رونا شروع کرتے ہیں استاد پریشان ہو کر

استاد۔ ارے چھوٹے نواب کچھ تو بتائیے کیا ہوا کاٹیکو دورئیں

اپنے بوبوں بھئی . . . .

چھوٹے نواب ۔ (فوڑا اپنے آنسو بتاکر کہتے ہیں) میں رورؤں ؟ کہاں

دورؤں یہ جو آپ دیکھ رہئیں مولوی صاحب آپ آنسو

سمجھ رہئیں ارے یہ تو میرے آنکھوں کا پسینہ ہے ۔

اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے مکالموں کے ذریعہ خاکے میں نصیحت آمیز پیغام دیا گیا ہے ۔

اس خاکہ میں حصہ لینے والے مشہور اداکار حمایت اللہ "چھوٹے نواب" کے علاوہ محمد یوسف ، محمد سلیمان اور علی میاں صاحب وغیرہ شامل ہیں ۔ ابتداء میں محمد یوسف استاد کا کردار ادا کیا کرتے تھے کچھ عرصہ بعد محمد سلمان استاد کا کردار ادا کرنے لگے ۔ علی میاں صاحب "بھوبئی" کا کردار ادا کرتے تھے ۔ اس خاکے میں دو کردار بہت مقبول عام ہوئے ایک تو "چھوٹے نواب" اور دوسرے "بھوبئی" علی صاحب میاں کو عام فہم الفاظ کا تلفظ ادا کرنے اور نچلے طبقے کی زبان استعمال کرنے میں ید طولیٰ تھا وہ مچھیرے کی زبان میں مکالمے اس خوبی سے ادا کرتے تھے کہ سامعین ناظرین واہ واہ کہہ اٹھتے ان کی اداکاری میں فطری پن ہوتا ان کے مکالموں میں برجستگی اپنا جادو جگاجاتی حمایت اللہ چھوٹے نواب کا کردار اس خوبی سے پیش کرتے کہ اس کردار کی معصومیت کا سحر دیکھنے اور سننے والوں کے سر چڑھ کر بولتا ۔

اس خاکے کو بچوں کے لئے پیش کیاجاتا رہا لیکن یہ بڑوں کی دلچسپی کا بھی باعث بنتا گیا۔ بچوں کے لئے یہ خاکہ آل انڈیا ریڈیوں سے ہر اتوار کو نشر ہوا کرتا تھا۔ اسکے علاوہ ہر سال حیدرآباد میں منعقدہ صنعتی نمائش کے نشر گاہ سے بھی نشر ہوا کرتا تھا اس پروگرام کو آل انڈیا ریڈیو سے ہر روز مسلسل تین برس تک نشر کیا جاتا رہا ہے اور بے شمار لطیفے اس میں سنائے گئے ہیں۔ جو آکاش وانی کی تاریخ میں ایک بے مثال ریکارڈ رکھتا ہے۔

ڈرامے :۔

حمایت اللہ کو شروع ہی سے ڈراموں سے خاصہ لگاؤ رہا ہے۔ یہ دلچسپی انھیں بچپن ہی سے تھی وہ اسکول کے زمانے میں بھی اسکول میں منعقدہ کلچرل پروگراموں میں حصّہ لیا کرتے تھے ان کے ڈراموں سے دلچسپی کی ابتدا ابھی زمانہ طالب علمی ہی سے ہوئی۔ اس زمانے میں حمایت اللہ مختلف پروگراموں میں حصّہ لیا کرتے تھے اور یہ شوق عمر کے ساتھ آگے بڑھتا گیا کہ حمایت اللہ نے آخرکار اس شوق کو بڑے ذوق وشوق سے اپنی زندگی کا ہم سفر بنالیا۔

حمایت اللہ کی فنکارانہ زندگی کا عوامی اسٹیج سے متعلق پہلا خاکہ "چھوٹے نواب" تھا جو کہ بے انتہا مقبول ہوا۔ اس خاکے میں چھوٹے نواب کا کردار حمایت اللہ نے اس خوبی سے ادا کیا کہ اس کردار کو شہرت دوام ملی اس خاکے میں اداکاری کے جوہر دکھانے کے بعد جب ان کے فن کی ہر طرف سے داد ملنے لگی تو پھر ڈراموں میں اداکاری کا یہ سلسلہ چل پڑا۔ جو تاحال

پچاس برس بعد بھی جاری ہے ۔

حمایت اللہ نے کئی ڈرامے خود لکھے اور ان ڈراموں کو خود ہی اسٹیج بھی کیا ۔ انہوں نے ان ڈراموں میں اداکاری بھی کی ۔ اسکے علاوہ دوسرے ڈرامہ نگاروں کے لکھے ڈراموں میں انہوں نے صرف کام ہی نہیں کیا بلکہ ان میں ہدایت کاری کے فرائض بھی انجام دئیے ۔ حمایت اللہ کے لکھے ہوئے ڈرامے اور خاکے حسب ذیل ہیں ۔

خاکے :۔۔۔ (۱) لیلی مجنوں (۲) چھوٹے نواب (۳) ترجمہ (۴) لنیا کے سہارے (۵) شیلی مشاعرہ (۶) انٹرویو ۔

ڈرامے :۔۔ (۱) نوک جھونک (۲) بڑے میاں دیوانے (۳) استاد کی شادی ای ہڑتال سے پہلے ۔

حمایت اللہ نے جن دوسرے ڈرامہ نگاروں کے ڈراموں میں بہ حیثیت اداکار اور ہدایت کار کام کیا ہے وہ ڈرامہ درج ذیل ہیں :۔۔۔

"نئی روشنی" (فضل الرحمٰن) "پنچایت"، "کفن" (پریم چند)
"دروازے کھول دو" (کرشن چندر) "بازگشت"، "آدھا نیچا"
(ایمن) "جھانسی کی رانی" (منجو قمر) "ملی وقطب شاہ" (رشید قریشی)
"شام ڈھلے سویرا"، "مقتول کیا میں نے"۔ (مجیب صدیقی)

غلام یزدانی ۔ (۱) دستہ یا سودہ (یہ ڈرامہ آل انڈیا ریڈیو پر نظارے کے نام سے نشر ہوا کرتا تھا لیکن اس ڈرامے کو حمایت اللہ نے اسٹیج پر پیش کیا) (۲) ہمسفر (۳) شادی کی سالگرہ (۴) سالگرہ (۵) چھتری ۔

غلام ربانی ۔ (۱) سینڈل (۲) شادی کا تحفہ (۳) ایک رات (۴) اوپر والی نیچے والی (۵) اسٹیشن پر

غلام جیلانی ۔ (۱) ایک سے سو تک فلم اسٹوڈیو (۳) لالہ جی (۴) وکیل و ڈاکٹر (۵) زندگی کے کنارے (۶) دوسرا کنارہ ۔

مجیب صدیقی کے لکھے دو ڈرامے "شام ڈھلے سویرا" اور "قبول کیا میں نے" لندن میں اسٹیج کیے گئے تھے۔ جو کافی مقبول ہوئے ۔

حمایت اللہ کی اداکاری میں فطری پن ملتا ہے ان کی اداکاری میں خاص حیدرآبادی تہذیب کا رکھ رکھاؤ اور اپنی تہذیبی روایت کا پاس ایک مخصوص اور فطری طریقہ سے اسکا بیان ان کی اداکارانہ خوبیوں کا پتہ دیتی ہیں حمایت اللہ کی فنکارانہ صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے جناب ضیاء الدین شکیب اپنے خط میں جو انہوں نے لندن سے سیاست کے ایڈیٹر کے نام ارسال کیا ہے لکھتے ہیں

حمایت اللہ پیشہ ور اداکار نہیں ہے بلکہ وہ ایک فطری اداکار

ہیں ان کا فن مشق کا نتیجہ نہیں ہے اس میں ایک تخلیقی اپج

ہے وہ اسٹیج پر اپنا رول اس طرح ادا کرتے ہیں جس طرح کوئی
شخص حقیقی زندگی میں اپنا رول ادا کرتا ہے ان کے طریقۂ ادا
میں درد اور کسک بھی ہے تبسم اور قہقہہ بھی ہے اس میں ذہنی
چالاکی بھی ہے اور فطری معصومیت بھی اعلیٰ تہذیبی اقدار کا
رکھ رکھاؤ بھی ہے اور زندگی کی پستیوں کا مظاہرہ بھی حمایت اللہ
نے زندگی کے تضاد کے راز کو خوب سمجھا ہے اور نہایت خوبی سے
وہ ایک ہی لمحہ میں کسی حقیقت کے دو متضاد پہلوؤں کو پیش
کرنے میں قادر ہیں حمایت اللہ کا فن حیدرآبادی تہذیب میں
نہایت ہی فطری انداز میں ابھرتا ہے ۔ ۵۱

۲ ستمبر ۱۹۸۳ء کو حمایت اللہ اور مصطفیٰ علی بیگ نے لندن میں ڈرامہ "شام ڈھلے گورا" پیش کیا ۔ ڈرامہ انتہائی کامیاب رہا دیکھنے والوں نے بے حد پسند کیا ۔ اس ڈرامہ کی مقبولیت نے حمایت اللہ کو مزید ڈراموں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھانے پر مجبور کیا ۔ چنانچہ انھیں اپریل ۱۹۸۶ء . . . . . . دوبارہ لندن مدعو کیا گیا ۔ اس مرتبہ انہوں نے ڈرامہ قبول کیا میں نے پیش کیا ۔ اس ڈرامہ کو پہلے ڈرامہ سے زیادہ شہرت مقبولیت حاصل ہوئی لندن میں اس ڈرامے کو لگاتار سات دن یعنی ۲ اپریل سے ۷ اپریل ۱۹۸۶ء تک سات شوز منعقد کئے گئے ۔

---

۵۱ ضیاء الدین شکیب لندن میں اردو ڈرامہ "حمایت اللہ نے کمال کر دیا" مضمون مشمولہ روزنامہ سیاست
مئی ۷ ۱۹۸۶ء

اس ڈرامہ میں ہندوستان کے علاوہ پاکستانی اداکاروں کے ساتھ ساتھ (بی بی سی لندن) کے چند اداکار بھی شامل تھے ہندوستان سے صرف حمایت کو مدعو کیا گیا تھا اس ڈرامے کی کامیابی کے بعد حمایت اللہ کو مختلف پروگراموں میں شرکت کے لئے دعوت دی گئی ان ڈراموں میں حمایت اللہ کی اداکاری کو بے حد پسند کیا گیا اسی کے ساتھ ساتھ ان کی فنکارانہ صلاحیتوں کو سراہا بھی گیا اس ضمن میں نقی تنویر لکھتے ہیں :-

> حمایت اللہ، مصطفی دونوں مزاح کے بنیادی فن سے وابستہ ہیں کیونکہ ان کا مزاح ان کے مشاہدات اور عوام کے تجربات پر مبنی ہے ان کی طنز آمیز اور مزاحیہ شاعری اور خاکو کا سہرا جو ہمیں بیباک اور بے ساختہ نظر آتے ہیں عوام کے تجربات ہی ہیں جو دونوں مزاحیہ فنکار عوامی روایات سے اپنا فن اخذ کرتے ہیں۔ [1]

ٹی۔ وی۔ فلم :-

حمایت اللہ نے اپنی اداکاری کے جوہر کو صرف اسٹیج ڈراموں کی حد تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ فلموں اور سیریلس میں بھی اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کا لوہا

---

[1] نقی تنویر "لندن میں حمایت اللہ اور مصطفیٰ علی بیگ کی مزاح کے ہنگامے" روزنامہ سیاست ۱۹۸۵ء

سنوارا ہے انہوں نے حسب ذیل فلموں اور ٹی وی سیریلس میں اپنا فن پیش کیا ہے:-

(۱) "عید کا دن" از جیلانی بانو (حیدرآباد دوردرشن سے ریلیز ہوا یہ نہ صرف حمایت اللہ بلکہ حیدرآباد دوردرشن کا بھی پہلا سیریل تھا۔

(۲) "مصیبت ہی مصیبت"، از حمایت اللہ (اس ڈرامے کو حمایت اللہ نے صرف ایک رات میں لکھا تھا اس سیریل کی شوٹنگ ایک مقبرے میں ہوئی تھی) یہ سیریل اکتوبر ۱۹۹۰ء میں ریلیز ہوا۔

(۳) "نغمہ کا سفر" . از جیلانی بانو (D.D. Delhi)

(۴) "فرمان" از رفیعہ منظورالامین (D.D. Delhi) ۱۹۹۳ء

(۵) "ادھیکار" از سٹرن ثریا (Z.T.V)

(۶) "ہنسی کا سفر" از ساجد اعظم/حمایت اللہ (Bombay II) ۱۹۹۴ء

(۷) "ملن" از لیک نندن (SONY T.V)

(۸) "اپنی تلاش میں" از جیلانی بانو (E.T.V. urdu)

(۹) "ہو سرکار نکو سرکار" از وسنوا مترا (E.T.V urdu)

(۱۰) "خون بہا" (۱۱) "دھڑکن" اور "احساس" از آغا مرز عسکری

(writer and Director)

(۱۳) "بھاگیہ نگر" از جیلانی بانو (۱۴) ہماری زینت

(۱۵) "اور شمع چلتی رہی" ۱۹۹۷ء

ان سیریلیوں کے علاوہ حمایت اللہ نے سات ٹیلی فلم اور تین فلموں میں اداکاری پیش کی ہے۔ سات ٹیلی فلموں میں سے خود حمایت اللہ نے ایک ٹیلی فلم "دروازے کھول دو" بنائی تھی۔ دروازے کھول دو کرشن چندر کا مشہور و معروف ترقی پسند ڈرامہ ہے جسے ___ کے ارکان نے سارے ہندوستان میں اسٹیج کیا ۔ حمایت اللہ نے خود بھی اس ٹیلی فلم سے اداکاری کی تھی۔ انہوں نے فلم "بلیرا" میں (روڈی ROWDY) کا کردار پیش کیا اور "ہم آپ کے دل میں رہتے ہیں" میں متیلی ڈاکٹر کا کردار پیش کیا۔ حمایت نے ٹی وی کے دوسرے مقبول عام پروگرامس میں بھی حصہ لیا ہے چنانچہ انہوں نے ۱۸ اپریل ۱۹۸۹ء کو بی بی سی ٹی وی کے مقبول پروگرام ایشین میگزین میں حصہ لیا۔ فبروری ۱۹۸۵ء میں منعقدہ عالمی مزاحیہ کانفرنس میں عالمی لطیفہ گوئی پروگرام میں حصہ لیا جسے نیشنل پروگرام میں نشر کیا گیا۔ مارچ ۱۹۸۷ء میں دوردرشن کے نیشنل چیانل پر انہوں نے ہندوستان میں مزاح کے عنوان سے یہ پروگرام پیش کیا۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۷ء کو نئے سال کے موقع پر دوردرشن پر پروگرام پیش کیا۔ انہوں نے صبح میں ٹیلی کاسٹ ہونے والے نیشنل پروگرام میں مختلف مختصر مزاحیہ خاکے پیش کئے۔ ان کے علاوہ حمایت اللہ نے دوردرشن کے نیشنل چیانل کے لئے اردو ہندی مزاحیہ شعرا کی شعری نشستوں کا اہتمام کیا۔

محمد حمایت اللہ نے اداکاری کی ابتدا ' اپنے طالب علمی کے زمانے میں کی تھی۔ آج انہوں نے اداکاری کو پیش کرنے کے جتنے بھی ممکنہ ذرائع ہیں ان تمام پر اپنی اداکاری کے جوہر پیش کر چکے ہیں۔ اسٹیج کے ہر شعبہ سے وہ سرگرم طور پر وابستہ رہے ہیں۔ زندگی کے سفر کے اس مرحلہ پر یقیناً" وہ اور ان میں چھپا ہوا اداکار یقیناً" نہ صرف مطمئن ہوگا بلکہ آسودہ بھی ہوگا کہ جس شوق کو بچپن میں گلے لگایا تھا اُسے اپنے ذوق وجنون سے منزل عروج پر پہنچا دیا ——— اللہ کرے شوق جنوں اور زیادہ اور زیادہ ——— !

فائن آرٹس اکیڈیمی :—

۱۹۴۸ء میں دکن کی گنگا جمنی تہذیب پر قیامت نازل ہوئی۔ قتل وغارت گری آگ دھوئیں کا بازار بڑے چاؤ سے رچا گیا۔ شہر حیدرآباد تو خیر کسی حد تک محفوظ رہا لیکن پھر بھی شہر کے دوسرے گھر میں ہر روز ماتم برپا ہوتا رہا۔ ناسپلی ریلوے اسٹیشن پر خون میں لت پت کپڑوں کی گٹھریاں ہر روز اپنا پتہ ڈھونڈتی پہنچتی رہی — حیدرآباد کے برخلاف اطراف شہر "پولیس ایکشن" کے ذمہ داروں نے دل بھر کر معصوم عوام کے "خون سے ہولی" کھیلی۔

ستمبر ۱۹۴۸ء کے بعد آزاد مملکت آصفیہ کے سربراہ نواب میر عثمان علی خاں "دلیس ہرملکہ" بناد ئیے گئے۔ عوام پر حکومت کی تبدیلی اور قتل وغارت گری سے سکتہ طاری

رہا۔ موسٰی ندی کا پانی بہتا رہا بہتا رہا۔ زمانے نے کروٹ بدلی امن کے فرشتہ نے سکون کا سانس لیا۔ شہر حیدرآباد کی زندگی میں دھیرے دھیرے آہستہ آہستہ ٹھہراؤ آیا۔ حیدرآباد کے شہریوں کے لئے جہاں صبح کرنا شام کا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ اب دوچار دیار مل کر بیٹھنے لگے۔ بزم آبادھوئی مجلس ہونے لگیں۔ ۱۹۴۸ء کے پرآشوب زمانے کو چشم پرآب سے دیکھنے والے حیدرآباد کے چند بلند ہمت نوجوانوں نے ناموس عشق کا پاس رکھا اور پلک تک آنے والے آنسوؤں کو پی گئے۔ خون ان کی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ اور آنکھوں سے ٹپک پڑنے کو بیتاب تھا کہ انہوں نے قہقہے لگائے قہقہے ایسے کہ اگر کوئی دوسرا ہنسے تو کلیجہ نکل پڑے۔

ایسے ہی چند نوجوانوں نے حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کو زندگی کرنے کا سلیقہ دینے کے لئے ۱۹۵۰ء میں فنون لطیفہ کی ایک اکیڈیمی بہ نام "فائن آرٹس اکیڈیمی" قائم کی۔ ان نوجوانوں میں ایک نمایاں نوجوان محمد حمایت اللہ ہی تھے۔

فائن آرٹس اکیڈیمی کے قیام میں محمد حمایت اللہ نے بھی اپنا حصہ ادا کیا تھا اور یہ بات اہم ہے کہ اپنے والد کے سایہ شفقت سے محروم تعلیم ادھوری چھوڑ دینے پر مجبور اور خود روزگار سے وابستہ صرف اٹھارہ برس کے ایک نوجوان نے اس طرح کی اکیڈیمی قائم کرنے میں حوصلہ افزا خدمات انجام دی۔ محمد حمایت اللہ فائن آرٹس اکیڈیمی کے بانیوں میں سے ہیں۔

فائن آرٹس اکیڈیمی قیام کے سنہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ فائن آرٹس اکیڈیمی میں سے تعلق رکھنے والے بعض اصحاب ۱۹۵۰ء بتاتے ہیں تو بعض ۱۹۵۲ء

ڈاکٹر مصطفےٰ کمال[51]، محمد سلیمان[52] اور عزیز ابرار[53] فائن آرٹس اکیڈیمی کے قیام کا سنہ ۱۹۵۲ء قرار دیتے ہیں۔ جبکہ محمد سعادت علی خان[54]، شفیعہ قادری[55] اور بوگس حیدرآبادی[56] ۱۹۵۰ء کے موید ہیں۔ راقمۃ الحروف کو انٹرویو[57] دیتے ہوئے۔ محمد حمایت اللہ نے بتایا کہ ۱۹۵۲ء غلط ہے اور فائن آرٹس اکیڈیمی ۱۹۵۰ء میں ہی قائم کی گئی۔ چونکہ محمد حمایت اللہ خود بانیانِ فائن آرٹس اکیڈیمی سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اُن کی بات کو سند قرار دیا جا سکتا ہے۔

فائن آرٹس اکیڈیمی کی بنا ڈالنے والوں میں حسب ذیل فنکار شامل تھے۔ محمد یوسف نورالعلم ایم۔اے۔بادی، ایم اے باسط، محمد سعادت علی خاں، عزیز قریشی، ممتاز احمد اور حمایت اللہ یہ تمام فنکار فنون لطیفہ کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس اکیڈیمی

---

۵۱ ڈاکٹر مصطفےٰ کمال "تعارف - فائن آرٹس اکیڈیمی" مضمون مطبوعہ شگوفہ جولائی، اگست ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۰

۵۲ بحوالہ "شگوفہ کی ادبی خدمات" از عزیز ابرار مقالہ برائے ایم۔فل غیر مطبوعہ صفحہ ۳۸

۵۳ ایضاً

۵۴ ایضاً

۵۵ شفیعہ قادری "زندہ دلانِ حیدرآباد" مضمون مطبوعہ شگوفہ صفحہ ۷۹ بابت نومبر ۱۹۸۲ء

۵۶ بوگس حیدرآبادی "زندہ دلانِ حیدرآباد کے ۲۷ سال" مضمون مطبوعہ روزنامہ منصف بابت ایکم نومبر ۱۹۸۹ء، صفحہ ۲

۵۷ حمایت اللہ سے شخصی انٹرویو بتاریخ ۱۶ اپریل ۲۰۰۲ء

کو قائم کرنے کا اصل مقصد حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کے دائرہ کار میں فنون لطیفہ کا فروغ تھا۔ جس میں اس اکیڈیمی کے فنکار کامیاب رہے اور آج اکیڈیمی کا نام حیدرآباد کی تہذیبی زندگی کا جزولاینفک بن گیا ہے۔ فائن آرٹس اکیڈیمی کی علمی اور تہذیبی خدمات کا بیان کرتے ہوئے عزیز ابرار لکھتے ہیں:۔

> حیدرآباد کے ثقافتی ادارے میں فائن آرٹس اکیڈیمی کا نام معتبر ہے اکیڈیمی نے ایسے معیاری پروگراموں کے ذریعے منفرد مقام بنایا ہے قومی فلاح و بہبودی کے لیے اکیڈیمی کی امتیازی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ [1]

حیدرآباد کی تہذیبی، علمی اور ثقافتی فضاء کو ہموار کرنے میں اس اکیڈیمی کے قابل ستائش خدمات انجام دی ہیں۔ اس اکیڈیمی کے زیرِ اہتمام شاعروں، ادیبوں اور مالی اعتبار سے کمزور اداروں کی امداد کے لیے مختلف نوعیت کے ریلیف فنڈس اور ملک کے لیے ڈیفنس فنڈ کے استحکام کے لیے بے شمار پروگرام منعقد کیے جاتے رہے ہیں۔

اکیڈیمی کے قیام اور اس کی علمی اور ادبی خدمات کا بیان کرتے ہوئے سعادت علی خاں لکھتے ہیں:۔

> پولیس ایکشن کے بعد ایک طویل تعطل رہا پھر ایک عرصہ

---

[1] عزیز ابرار "شگوفہ کی ادبی خدمات" صفحہ ۲۰

کے بعد ڈرامے کے میدان میں ہلچل شروع ہوئی <u>۱۹۵۰ء</u> میں ایک ادارے فائن آرٹس اکیڈیمی کا قیام عمل میں آیا۔ ڈراما موسیقی سے لگاؤ رکھنے والے چند نوجوان محمد یوسف نورالعظیم، ایم۔اے۔باری، ایم۔اے۔باسط، محمد سعادت علی خان اور ولی محمد نے اس عظیم ادارے کی بنیاد رکھی جو آج ترقی کرتے کرتے حیدرآباد کی تہذیبی زندگی کا جزو لاینفک بن گیا۔ ۵۱

فائن آرٹس اکیڈیمی کی اعلیٰ و ادبی خدمات کے بارے میں مصطفیٰ کمال لکھتے ہیں:-

اکیڈیمی نے ہر اچھے مقصد کے لیے اپنے اعزازی خدمات دینے کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ فائن آرٹس اکیڈیمی کی مختلف الجہت خدمات کا اعتراف ہندوستان کے صدر وزیر اعظم سے لے کر عام فنکاروں نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد ڈاکٹر ذاکر حسین، فخرالدین علی احمد، نیلم سنجیوا ریڈی، وزرائے اعظم میں پنڈت جواہر لال نہرو، اندرا گاندھی نے اس اکیڈیمی کی قومی، اور تہذیبی خدمات کو سراہتے ہوئے اس اکیڈیمی کو خراج تحسین عطا کیا۔ ۵۲

---

۵۱ سعادت علی خان "حیدرآباد میں اردو ڈرامے کی روایت" صفحہ <u>۳۲۴</u>

۵۲ مصطفیٰ کمال "تعارف" شگوفہ دیڑھ سالہ رسالہ صفحہ <u>۱۰۴</u>

ڈاکٹر زینت ساجدہ فائن آرٹس اکیڈیمی کے بانی حضرات کا ذکر کرتے ہوئے اکیڈیمی کی خدمات کو انسانیت کی مسیحائی سے تعبیر کیا ہے فرماتی ہیں۔

"فائن آرٹس اکیڈیمی کی بنیاد رکھنے والوں میں اقبال قریشی ممتاز احمد، محمد یوسف، اور حمایت اللہ ہیں.... خدا جانے کتنے نوجوان فنکاروں کو اس اکیڈیمی نے تہذیبی اسٹیج پر پیش کیا اور ان میں کتنے ہی اس تعارف اور قربت کا سہارا پاکر اپنے آپ ایک ادارہ بن گئے۔ اس اکیڈیمی کے دروازے پر آنے والے اور جانے والے کے لئے کھلے ہیں اس کے کارکنوں نے زندگی کی وسعت اور بے تکلفی کو محسوس کیا نوجوانوں نے اپنے مزاح موسیقی، نقالی اور ڈرامے کو اپنا وسیلۂ اظہار بنالیا تاکہ حرکت میں برکت رہے۔ خوش دلی کی فضا ہموار ہو اور راہ حیات کے تھکے ماندے لوگ کچھ تازہ دم ہولیں۔ اس کو معمولی بات نہ سمجھ لینا یہ بھی انسانیت کی مسیحائی کا جز ہے"۔ [1]

زندہ دلانِ حیدرآباد کا قیام:۔

فائن آرٹس اکیڈیمی کے ارکان عاملہ نے اپنے پروگراموں کو عوامی سطح پر

---

[1] ڈاکٹر زینت ساجدہ "تو دکنی ہے پیارے تو دکھنی بول" مضمون مشمولہ دھنک ڈی صفحہ ۲۷

پیش کرنے کے لئے ایک علحدہ شعبہ ۱۹۶۱ء میں اگھو پتی نرمل کی نگرانی میں قائم کیا۔ تاکہ طنز و مزاح کو فروغ دیا جاسکے۔ چونکہ اکیڈیمی کے اکثر ارکان کا رجحان مزاح کی طرف زیادہ تھا اسی لئے اسکی ادبی نشستیں مزاح کے لئے مختص کردی گئی تھیں۔ اکیڈیمی کے ارکان نے ابتداء میں اس ادبی شعبہ کا کوئی نام متعین نہیں کیا تھا۔ اسی اثنا میں ایاز انصاری ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو نے ایک مشاعرہ بعنوان "زندہ دلانِ حیدرآباد" کا اہتمام کیا۔ ایاز انصاری نے "زندہ دلانِ حیدرآباد" کے نام "زندہ دلانِ پنجاب" کی مناسبت سے رکھا۔ ڈاکٹر گیان چند جین اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں۔

> "زندہ دلانِ پنجاب کا نام" خواجہ حسن نظامی" نے دیا تھا۔ جس سے استفادہ کرکے "زندہ دلانِ حیدرآباد کا نام رکھا گیا۔"[۵۱]

"زندہ دلان حیدرآباد" مشاعرے کے کامیابی کے بعد ایاز انصاری کی ایماء پر اکیڈیمی کے ادبی شعبہ کا نام ہی "زندہ دلان حیدرآباد" قرار دیا گیا اسطرح زندہ دلان حیدرآباد کا باضابطہ قیام ۱۹۶۲ء میں عمل میں آیا۔ اس ضمن میں عزیز ابرار لکھتے ہیں۔

> آل انڈیا ریڈیو کے ڈائرکٹر ایاز انصاری نے "زندہ دلان پنجاب" کے نام سے استفادہ کرتے ہوئے جنوری ۱۹۶۱ء میں ایک مزاحیہ

---

۵۱ بحوالہ "شگوفہ کی ادبی خدمات" صفحہ ۱۷

مشاعرہ بعنوان زندہ دلانِ حیدرآباد، اسٹیج کیا۔ یہ مشاعرہ نشتر گاہ کی سبزہ زار پر سامعین کی موجودگی میں منعقد ہوا جو جنوری ۱۹۶۱ء کو کو نشتر ہی ہوا جس میں مزاحیہ اور سنجیدہ دونوں شعراء نے حصہ لیا۔ اس مشاعرے کی کامیابی نے اپنوں میں طنز و مزاح کی ایک بزم کے قیام کا خیال پیدا کیا اور ریاض انصاری کے مشورے پر ۱۹۶۲ء میں زندہ دلانِ حیدرآباد کا قیام عمل میں آیا۔ ۵۱

زندہ دلانِ حیدرآباد کے قیام کے متعلق مصطفیٰ کمال لکھتے ہیں :-

> حیدرآباد کے زندہ دلوں کو بجا طور پر یہ فخر حاصل ہے کہ انھوں نے پنجاب کے زندہ دلوں کی روایت کو مٹنے نہیں دیا اور فائن آرٹس اکیڈیمی نے زندہ دلانِ حیدرآباد کے نام سے ایک ادبی شعبہ کی بنا ڈالی۔" ۵۲

شفیعہ قادری نے بھی ڈاکٹر گیان چند جین اور عزیز ابرار کی طرح زندہ دلانِ حیدرآباد کا ماخذ زندہ دلانِ پنجاب بتایا ہے۔ وہ لکھتی ہیں۔

۱۹۶۱ء میں آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے ایک مشاعرہ ہوا۔

---

۵۱ عزیز ابرار "شگوفہ کی ادبی خدمات" صفحہ ۴۲

۵۲ مصطفیٰ کمال "تعارف" شگوفہ ڈیڑھ سالہ نمبر صفحہ ۱۰۵

مصطفیٰ کمال، صلاح الدین نیر، حنیف قیصر اور رحیم خاں وغیرہ معاون تھے

حیدرآباد میں یوں تو چھوٹے پیمانے پر وقتاً فوقتاً مزاحیہ مشاعرے ہوا کرتے تھے لیکن مزاح نگاروں کی کل ہند کانفرنس کے بعد ہی ادب میں مزاح نگاروں کی اہمیت واضح ہونی شروع ہوئی۔ اس کے علاوہ اس ادارے کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس نے پہلی مرتبہ عالمی سطح پر مزاحیہ کانفرنس منعقد کرنے کا سہرا اپنے سر باندھا۔

عطاء الحق قاسمی (پاکستان) نے مزاح نگاروں کی اس عالمی جشن کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> حیدرآباد دکن میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس میں ایک بات ہم نے یہ دیکھی کہ اس کے سشن میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے تھے اور دل کھول کر ہنستے تھے۔ چنانچہ ضمیر جعفری کو یہ پوچھنا پڑا بھی اس شہر میں کیا سانحہ گذر گیا ہے۔ یہاں کے لوگ اتنے بھرپور قہقہے لگاتے ہیں۔ حیدرآباد دکن کو اس عالمی طنز و مزاح کانفرنس کے سامعین کسی اجلاس میں شرکت کے بعد آرام سے نہیں بیٹھ گئے۔ بلکہ وہ اسکے سبھی میں پورے کوائف کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ ۵۱

زندہ دلان حیدرآباد نے عالمی کانفرنس کے دو سال بعد سلور جوبلی تقریب کا اہتمام کیا زندہ دلان

---

۵۱ عطاء الحق قاسمی "حیدرآبادِ دکن میں عالمی طنز و مزاح کانفرنس" مضمون مشمولہ شگوفہ مارچ ۱۹۸۵ء صفحہ ۱۶

جناب ایاز انصاری پروگرام اگزیکٹیو آل انڈیا ریڈیو
نے اکیڈیمی کے ادبی شعبہ کو زندہ دلان حیدرآباد
کا نام دیا۔ جسے نائٹ ایرس اکیڈیمی نے قبول کیا۔" ۵۱

ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال اور شفیع قادری نے زندہ دلان پنجاب سے زندہ دلان حیدرآباد کے بننے کی بات کہی ہے اور ڈاکٹر گیان چند جین بتاتے ہیں کہ زندہ دلانِ پنجاب خواجہ حسن نظامی کی اختراع ہے بہت ممکن ہے کہ خواجہ حسن نظامی نے کہیں یہ لکھا ہے۔ لیکن اس ترکیب کا استعمال سب سے پہلے منشی سجاد حسین مدیر اودھ پنچ نے اپنے پہلے ناول احمق الذی میں کیا ہے۔ ۵۲

اس شعبہ کے تحت ہر سال ریاستی سطح پر ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۵ء تک مشاعرے منعقد کئے گئے ان مشاعروں میں دکنی کلام بھی سنایا جاتا تھا جو کافی مقبول ہوا اور ہر سال ان مزاحیہ مشاعروں کی مقبولیت میں اضافہ ہی ہوتا گیا جس کی وجہ سے اس شعبہ کے ممبران نے ایک کل ہند کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ مجتبیٰ حسین کو معتمد بنایا گیا چنانچہ معتمد اور ارکان کی کوششوں سے زندہ دلانِ حیدرآباد نے حلقہ اربابِ ذوق کے تعاون سے ۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ کل ہند پیمانے پر مزاح نگاروں کی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس کام کو آگے بڑھانے اور کانفرنس کو کامیابی کے ساتھ منعقد کرنے میں حمایت اللہ نے انتہائی بنیادی اور اہم رول نبھایا۔ حمایت اللہ کے ساتھ،

---

۵۱ شفیعہ قادری "حیدرآباد کے علمی و ادبی ادارے" صفحہ ۱۱۲ دسمبر ۱۹۸۲ء

کے سلور جوبلی تقریب کے بارے میں شگوفہ کے ایک قاری منظور وقار لکھتے ہیں :-

> ایک خالص ادبی ادارے کا سلور جوبلی منانا ہماری اس کاروباری دنیا میں ایک ایسا کارنامہ ہے جو آپ اور آپ کے ساتھیوں کی محنت کا ہی کمال معلوم ہوتا ہے زندہ دلانِ حیدرآباد کی کامیابی کے وہ کارنامہ کر دکھایا کہ طنز و مزاح ہر خاص و عام میں سرایت کر گیا ہر شہر میں حیدرآباد کی ایک عدد شاخ کی شدید ضرورت لاحق ہو گئی ہے ۔[1]

زندہ دلانِ حیدرآباد کے نہ صرف مزاحیہ مشاعروں کے ذریعہ شعراء کو ایک خاص platform عطا کرتے اور انہیں ادب میں متعارف کروانے میں اہم رول انجام دیا ۔

مزاح نگاروں کی تخلیقات کو منظرِ عام پر لانے کی غرض سے ایک ڈیڑھ ماہی رسالہ شائع کرنے کی تجویز رکھی گئی ۔ اور مصطفیٰ کمال کو مدیر مقرر کیا گیا ۔ شگوفہ ڈیڑھ ماہی کا پہلا شمارہ نومبر ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا مصطفیٰ کمال کے مطابق ڈیڑھ ماہی رسالے کی تجویز مجتبیٰ حسین کی تجویز کردہ تھی اس رسالے کو مصطفیٰ کمال نے اپنے سرمائے سے جاری کیا تھا ۔ اور زندہ دلانِ حیدرآباد میں مصطفیٰ کمال ایک ترجمان کی حیثیت رکھتے تھے ۔ اس رسالے کی شروعات کے بعد انہیں مستقل مدیر بنا دیا گیا ۔ وہ ابتداء میں یہ رسالہ فائن آرٹس اکیڈیمی کا ایک حصہ تھا لیکن آج اس کی اپنی ایک الگ عالمی شناخت ہے ۔

۱۔ منظور وقار (گلبرگہ) (دے کر خط) مراسلے شگوفہ دسمبر ۱۹۸۷ء صفحہ ۵

شاعری کی ابتداء :۔

پولیس ایکشن میں برپا ہوئے ظلم وستم کے بعد حیدرآباد میں مسلمان سہم سے گئے تھے۔ پولیس ایکشن میں پیش آنے والے واقعات نے ان کے دلوں کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ مسلمانوں کی اب حالت ایسی ہوچکی تھی کہ سرِعام تو کیا گھروں میں بھی جب بات کرتے تو آہستہ سرگوشی کی صورت میں بات کیا کرتے تھے۔ ایسے نازک دور میں مسلمانوں کے دل میں بیٹھے ہوئے اس ڈروخوف کو دور کرنے اور شہر میں امن وامان کی فضا قائم کرنے کی غرض سے سوشلسٹ پارٹی نے P.D.F پارٹی قائم کی۔ اس پارٹی کے زیر اہتمام ایک کلچرل ونگ قائم کیا گیا جسکی انچارج برج رانی گوڑ تھیں۔ حمایت اللہ اور سرور ڈنڈا بھی اس کلچرل ونگ میں شامل ہوگئے۔

کلچرل ونگ کے زیر اہتمام بھوئی گوڑہ (آغا پورہ) میں ایک عوامی پروگرام منعقد کیا جاتا تھا جس میں شعروشاعری ہوتی اور خاکے پیش کئے جاتے اور سیاسی وسماجی حالات پر مبنی نظمیں پیش کی جاتی تھیں۔

حمایت اللہ نے بھاگواتم پروگرام ہی سے اپنی شاعری کی ابتداء کی ان کی پہلی نظم "زولسانی" تھی جس کا پہلا شعر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

تندانا تانا تانا واہ واہ رے تلنگانہ

منتی پوچھے منتی۔ ایدی ایم دارے ماں نا۔

حمایت اللہ نے پولیس ایکشن کے بعد اپنی شاعری کی ابتدا کی اپنی شاعری کے اظہار کے لیے انھوں نے دکنی زبان کو ذریعہ بنایا اور اسی میں اپنے جزبات واحساسات کا بیان کرنے لگے . حمایت اللہ نے چھوٹے چھوٹے واقعات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا . حمایت اللہ نے دکنی زبان میں طنز ومزاحیہ شاعری کا اسلوب اختیار کیا . ان کی شاعری میں دکنی کا صحیح تلفظ اور لہجہ ملتا ہے حمایت اللہ کی شاعری میں آمد ہے اور بے ساختگی ملتی ہے . ان کی شاعری کی خصوصیات کا بیان کرتے ہوئے مصطفیٰ کمال لکھتے ہیں :-

> حمایت اللہ بحیثیتِ شاعر آج کی دکنی شاعری کے مستند شاعر ہیں انھوں نے لفظ کو کبھی توڑ موڑ کر استعمال نہیں کیا . ان کے مختصر کلام میں یہ بات ہر جگہ نظر آتی ہے کہ مزاح کے ساتھ طنز کی چوٹ ہوتی ہے بعض وقت یہ چوٹ ایسی ہوتی ہے کہ سننے والا بے ساختہ اسکی داد دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں . ان کے عام لفظوں کے پیچھے جو کہانی ہے وہ بہت لمبی ہے جسکے پیچھے تلخ اور کڑوے معنی پوشیدہ ہیں .

مشاعروں میں شرکت :-

حمایت اللہ کی دکنی میں مزاحیہ شاعری نے انھیں شہرت دوام پر پہنچا دیا — رفتہ رفتہ وہ بھاگوا نگر کے جلسوں کے علاوہ نجی محفلوں اور عام مشاعروں میں شرکت

ل مصطفیٰ کمال سے شخصی انٹرویو ۳ جون ۲۰۰۳ء

کرنے لگے۔ ان محفلوں اور مشاعروں میں اُن کے کلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ چنانچہ انھیں دن دونی رات چوگنی شہرت نصیب ہوئی۔ پھر تو وہ حیدرآباد کے ہر مزاحیہ مشاعرے کے لازمی شاعر بن گئے۔ ان کی اس شہرت نے شہر کے حدود سے ملک کے دوسرے شہروں تک انھیں پہنچایا اور پھر وہ دن بھی آئے کہ انھیں بین الاقوامی مشاعروں میں بھی مدعو کیا جانے لگا۔ نائن آرٹس اکیڈمی اور زندہ دلانِ حیدرآباد کے قیام نے ان کی شخصیت اور فن مزید بلندیوں پر پہنچایا۔

حمایت اللہ نے دکنی لب و لہجہ میں شعر بنا کر نہ صرف مشرقِ وسطیٰ بلکہ براعظم امریکہ کو بھی تسخیر کیا ہے۔

حمایت اللہ نے مصطفیٰ علی بیگ کے ہمراہ لندن میں حیدرآباد اسوسیشن کے زیرِ اہتمام منعقدہ پروگرامس اور مشاعروں میں شرکت کی چنانچہ سولہ مختلف مقامات پر جلسے اور مشاعرے منعقد ہوئے جس میں ان کے کلام کو بے انتہا داد ملی۔

لندن میں ایسے کامیاب پروگرام پیش کرنے کے بعد انھیں امریکہ مدعو کیا گیا۔ جہاں نیویارک میں ایک کلچرل پروگرام اور مشاعرے کا انعقاد کیا گیا تھا۔ نیویارک کے بعد انہوں نے سینٹ لوئی شکاگو، ہوسٹن، ڈیٹرویٹ، نیوجرسی اور برکلے میں پروگرام پیش کئے۔ جہاں ان کی اداکاری اور شاعری کو بے انتہا سراہا گیا۔ واپس ہوتے ہوئے حمایت خصوصی دعوت پر انٹاریو کنیڈا ایس خاکے پیش کئے اور مشاعرے میں حصہ لیا۔

مئی ۱۹۸۸ء میں انہوں نے ہند و پاک کی طنزیہ اور مزاحیہ کانفرنس منعقدہ کراچی میں شرکت کی اور بچھڑے ہوئے ہم وطنوں کو اپنے دکنی لب و لہجہ سے مفتوح کرلیا۔ دسمبر ۱۹۸۹ء میں بزم اور جدہ کے سعودی عربیہ کے زیر اہتمام منعقدہ طنز و مزاح کانفرنس میں شرکت کی اور حصہ لیا۔ ۱۹۹۰ء میں جدہ، ریاض، یا تبوک میں تاسیس حیدرآباد کے سلسلے میں منعقدہ چار سالہ جشن میں شرکت کی۔ مارچ ۱۹۹۰ء میں دبئی میں منعقدہ بین الاقوامی شعرا اجلاس میں شرکت کی اور ابوظبی اور ایلین میں منعقدہ اجلاسوں میں اپنا کلام سنایا۔ مئی ۱۹۹۰ء میں تاسیس حیدرآباد کے ضمن میں چار صد سالہ جشن منعقدہ کویت میں حصہ لیا۔

حمایت اللہ کو ۱۹۹۶ء میں پھر ایک دفعہ امریکہ مدعو کیا گیا۔ اس دفعہ اگست تا اکتوبر ان کا قیام رہا اور انھوں نے شکاگو ہوسٹن، ڈلاس، سان انتونیو، لوس آنجلیس اٹلانٹا، ٹولیڈو، سنٹ لوئی، نیویارک، ڈیٹرویٹ، نیو جرسی میں منعقدہ مشاعروں میں اپنا کلام پیش کیا کرتے ہوئے امریکہ کے اردو طبقہ کا دل جیت لیا۔ امریکہ سے واپسی میں انھیں لندن مدعو کیا گیا۔ اور ۹ اکتوبر تا ۱۸ اکتوبر ان کا قیام لندن میں رہا۔ جہاں انہوں نے خصوصی طور پر منعقدہ تین مشاعروں میں اپنا کلام سنایا۔

حمایت اللہ نے نہ صرف ان مشاعروں میں شرکت کی بلکہ ان مشاعروں کو صحیح معنوں میں لوٹ لیا۔ حمایت اللہ کے دورۂ لندن اور مشاعروں کی کامیابی کے بارے میں محمد مصطفیٰ علی خان اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

> ۲۶ اگست کو حیدرآباد دکن اسوسیئشن کی جانب سے جو
> مشاعرہ منعقد کیا گیا جس میں حمایت اللہ اور مصطفیٰ علی بیگ
> کے ساتھ پاکستان کے نامور شعرانے بھی شرکت کی۔ ان میں
> اوپندر ناتھ اشک، شہرت بخاری، حمید حیدرآبادی اور اکبر حیدرآبادی
> وغیرہ شامل تھے۔ مہمان خصوصی کے لئے جناب پرنس معظم جاہ چہارم
> تھے کو مدعو کیا گیا تھا ان مشاعروں میں مصطفیٰ علی بیگ کی غزلیں
> اور حمایت اللہ کے چوٹے بہت پسند کئے گئے۔ ۱؎

لندن میں حیدرآباد دکن اسوسیئشن میں منعقد کئے گئے مشاعرے میں پرنس معظم جاہ چہارم نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی اور جناب خلیق ایم معتمد انجمن ترقی اردو ہند نے اسکی صدارت کے فرائض انجام دئیے۔ اس مشاعرے میں حمایت اللہ اور مصطفیٰ علی بیگ کی فنکارانہ صلاحیتوں سے پرنس معظم جاہ چہارم اس قدر متاثر ہوئے کہ دوسرے دن اپنے وطن عزیز اور اپنے دادا کی مملکت سے تعلق رکھنے والا ان فنکاروں کو چائے پر مدعو کیا اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

بی بی سی اردو چیانل کی پروڈیوسر مسز للیتا احمد نے حیدرآباد کے ان دونوں فنکاروں کے اعزاز میں خیر مقدمی تقریب منعقد کی تھی۔

حمایت اللہ کے فنکارانہ صلاحیتوں کا اعتراف نہ صرف حیدرآباد کے اخبارات و رسائل نے کیا ہے بلکہ دوسرے ممالک کے ذریعہ ابلاغ نے بھی ان کے فن کو سراہا ہے۔ چنانچہ اس مجلس سے شائع ہونے والے اخبار پاکستان لنک نے جمعہ ۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو لوس انجلیس کا عظیم یادگار تاریخی مزاحیہ شاعرہ کے عنوان سے خبر شائع کی کہ جس میں حمایت اللہ کے کلام اور ان کی مقبولیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

"اب باری تھی جناب حمایت اللہ کی جیسے ہی ان کا نام پکارا گیا
سامعین نے تالیاں بجا کر ان کا استقبال کیا۔ حمایت اللہ صاحب
نے چند چوتے (قطعات) سنائے اور ایک طویل غزل بھی
سنائی اور بے حد داد پائی" لے

حمایت اللہ کو شکاگو میں مزاحیہ مشاعرے میں شرکت کے دوران "شاعر ظرافت" کے خصوصی اعزاز سے نوازا گیا۔

بیرونی ممالک کا سفر:—

حمایت اللہ نے کئی ممالک کا سفر اختیار کیا چنانچہ انہوں نے امریکہ، لندن، کنیڈا، سعودی عربیہ، کویت، U.A.E، ابوظہبی، پاکستان، قطر، مسقط، وغیرہ کی سیاحت بھی کی ہے

لے پاکستان لنک اردو مجوعہ ۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء۔

104.

حمایت اللہ نے ۱۹۸۲ء میں سعودی عرب کا سفر اختیار کیا اور فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ان کی شریک زندگی ڈاکٹر رشید موسوی بھی ان کے ہمراہ تھیں۔

—★—

باب چہارم

حمایت اللہ بحیثیت شاعر

شاعری کا تجزیہ' موضوعات' زبان' انداز پیش کش

محمد حمایت اللہ شاعر ہیں اور شاعر ہونے کے ناتے حساس دل رکھتے ہیں شاعر مبلغ فطرت بھی ہوتا ہے اس کے ذہن و دل پر غیب سے خیالات آتے ہیں شاید اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ شاعر کا صریرِ خامہ نوائے سروش ہوتا ہے۔ اور اسی لئے فطرت کے راز سب سے پہلے دلِ شاعر پر عیاں ہوتے ہیں[2] اور شاعر کے اپنے مشاہدات اور تجربات موضوع کو شعر کے پیمانے میں دلفریب انداز میں بیان کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ شاعر کے یہاں بصارت کے ساتھ بصیرت کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ غزل ہو یا نظم محض بیانیہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ کسی موضوع کو اچھے شعر میں بیان کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ شاعر کی فکر تخیل کی آنچ میں تپ کر خلوصِ دل کی نوا بن جائے۔

حمایت اللہ ایک ایسے شاعر ہیں، جو وجدان کی رہنمائی و رہبری پر ہی شعر کہتے ہیں ان کا مشاہدہ قوی ہے اور وہ فکرِ صحیح رکھتے ہیں پاک دل و پاکباز بھی ہیں۔ اسی لئے ان کے قلم سے جو شعر نکلتا ہے پرتاثیر ہوتا ہے۔ حمایت اللہ نے سنجیدہ شاعری بھی کی۔ ہمیشہ اپنے خیالات و موضوعات کو مزاح کی چاشنی کے ساتھ پیش کیا۔ سنجیدہ شعر کہنا شاید آسان ہو لیکن کسی موضوع کو مزاح کا پیراہن چڑھا کر اور بسا اوقات طنز کے نشتر کے ساتھ پیش کرنا۔ یقیناً سنجیدہ

---

[1] آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں :- غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے (غالب)

[2] راز جو سینۂ فطرت میں نہاں ہوتا ہے :- سب سے پہلے دلِ شاعر میں عیاں ہوتا ہے (جگر مرادآبادی)

شعر کہنے سے دشوار مرحلہ ہوتا ہے۔ حمایت اللہ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے موضوعات کو شائستگی کے ساتھ بڑے سلیس انداز میں پیش کیا۔ ان کے کلام میں شگفتگی کے ساتھ ساتھ بے ساختگی کا عنصر بھی ملتا ہے طنز و مزاح ان کی شاعری کا مقصد نہیں وہ تو سامعین و قارئین کو موضوع کی اہمیت اور افادیت بتانے کا ذریعہ ہے۔

حمایت اللہ نے ۱۹۵۰ء کے بعد شاعری شروع کی پولیس ایکشن کے بعد جب کمیونسٹ پارٹی کے ونگ کے طور پر پروگریسو ڈیموکراٹک فرنٹ قائم ہوئی تو اس کے تحت پولیس ایکشن سے متاثر کشیدگی کے ماحول کو دور کرنے اور عوام کے مختلف طبقوں میں اعتماد بحال کرنے کی غرض سے "بھاگوتم" کے نام سے مختلف مقامات پر عوامی جلسے منعقد کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ P.D.F کے ذریعے اہتمام اس طرح کے جلسے بمقام بھولی گوڑہ نزد آغا پورہ منعقد ہوا کرتے تھے جس میں سنجیدہ شاعر تو امن و شانتی کے گیت سناتے ہی تھے لیکن ایسے جلسوں کی خصوصیت حیدرآبادی فنکاروں کے مزاحیہ خاکے اور مزاحیہ شاعری ہوتی تھی جسے سن کر حالات کے ستائے ستم زدہ لوگ کچھ لمحوں کے لئے ان مزاحیہ فنکاروں کے فن سے اپنے غم ہی کو بھول نہیں جاتے خود کو بھی بھول جایا کرتے۔ ایسے ہی ایک انسان دوست جلسے میں حمایت اللہ نے اپنی پہلی نظم " تندانا تانا نانا " سنائی جو بے حد پسند کی گئی۔ اور آج جبکہ پچاس سال گزر چکے ہیں۔ آج بھی انھیں پسندیدگی کے ساتھ سنا جاتا ہے اس تناظر میں یہ بات بڑی اہم بن جاتی ہے کہ نصف صدی تک کسی شاعر کی پسندیدگی نہ صرف برقرار رہے

بلکہ دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ حمایت اللہ کی شاعری اور ان کی فکر و خلوص کی سچائی کی دلیل پیش کرتا ہے۔

حمایت اللہ کے موضوعات بڑے متنوع ہیں۔ انھوں نے اس کائنات کے ہر موضوع کو اپنے شعر کے سانچے میں ڈھالا ہے ان کے یہاں پند و موعظت کا بھی بیان ہوتا ہے عشقیہ کلام بھی موجود ہے انھوں نے "مرضی مولا" کو بھی اپنی شعر کے سانچے میں ڈھالا اور چھوت چھات کے مضامین بھی بیان کئے ہیں ان کے یہاں سیاسی گفتگو بھی ملتی ہے۔ معاشی و معاشرتی مسائل بھی شعر کا نظم کا پیکر اختیار کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں لسانی تنازیات کا بیان بھی ہوتا ہے انسان دوستی تو ان کے کلام کا امتیازی وصف ہے اسی کے ساتھ تہذیبی روایات بھی ان کی شاعری کا موضوع بنے ہیں۔

حمایت اللہ کے یہاں حمد، نعت، منقبت، پیروڈی کے ساتھ ساتھ نظمیں غزلیں اور رباعی جوڑے ملتے ہیں۔ حمایت اللہ کا فن نظموں اور جوڑوں میں خوب نکھرا ہے۔

حمایت اللہ کی شاعری کے زندگی بھر کے ذخیرے کے بارے میں ڈاکٹر رشید موسوی لکھتی ہیں:۔

> حمایت اللہ نے کبھی اپنے کلام کو محفوظ رکھنے کی طرف
> دھیان نہیں دیا۔ چلتے پھرتے کاغذ کے پرزوں پر شعر لکھ
> دیتے ہیں۔ انھیں سلسلہ وار ترتیب دے کر کسی ڈائری یا نوٹ بک

میں نقل کرنے کی عادت نہیں ہے مجھے جتنا کلام ملا ہے
اس میں زیادہ تر کاغذ کے پرزوں یا سگریٹ کی خالی
ڈبیوں یا کبھی بس کے استعمال شدہ ٹکٹوں پر ہے
میں نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے اس کو ترتیب
دینے کی کوشش کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انھوں نے
اس سے کہیں بہت زیادہ شعر کہے ہوں گے جب ان کو ان
کے لکھے ہوئے پرانے گیت اور بعض مشہور نظموں کی یاد دلانے
کی کوشش کریں تو وہ "ارے ہاں وہ انوا" کہہ کر بات
ختم کر دیتے ہیں"۔ ؎۱

دھنٹری کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رشید موسوی کو حمایت اللہ کا کلام مرتب کرنے میں کتنی کٹھنائیاں پیش آئی ہوں گی۔ دھنٹری میں حمایت اللہ کے ۵۲ سالہ شعری سفر کا سرمایہ اکٹھا کیا گیا ہے اس مجموعہ کو ڈسمبر ۲۰۰۱ء میں "زندہ دلانِ حیدرآباد" نے شائع کیا۔ بارونق حیدرآباد کے معروف اور منجھے ہوئے شاعر اور آرکیٹکٹ طالب خوندمیری نے عنوان کی مناسبت سے انتہائی مناسب اور معنی خیز تیار کیا ہے۔ نیلے آسمان پر بادل کے ٹکڑیاں جھکولے کھا رہی ہیں زمین پر ہری ہری دھنٹری لہرا رہی ہے اور دھنٹری کے درمیان سے

؎۱ ڈاکٹر رشید موسوی "تعارف" مشمولہ دھنٹری صفحہ ۱۲

حمایت اللہ نے سراٹھایا ہے ۔ ان کی اونچی پیشانی جوان کی شخصیت کا جزو ہے اور جوان کی بلند خیالی اور بلند ہمتی کی دلیل نمایاں نظر آتی ہے ۔ طالب خوندمیری نے حمایت اللہ کی ناک کو جو کہ حیدرآبادی تہذیب اور زندہ دلانِ حیدرآباد کے نزدیک اسم بامسمیٰ بن گئی ہے واقعتاً ٗ کا دنون بناتے ہوئے نوکِ قلم سے مزاح کا قطب مینار بنا دیا ۔

دھنک رنگ کا انتساب حمایت اللہ نے اپنی شریک سفر رشید موسوی کے نام کیا ہے ۔ جنھیں وہ نصف بہتر نہیں بلکہ پون بہتر قرار دیتے ہیں ۔ انتساب کے ضمن میں حمایت اللہ نے بولتا ہوا مصرعہ لکھا ہے کہ ۔ ع ۔ "کہا جو کچھ تو تیرا حسن ہوگیا محدود" مجموعہ کی ابتدا میں ڈاکٹر رشید موسوی کا لکھا "تعارف" ہے ۔ جس میں انھوں نے حمایت اللہ کا تعارف تو کروایا ہے اسی کے ساتھ عصر حاضر کی دکنی زبان کا نحوی وصرفی جائزہ پیش کیا ہے ۔ جس میں انھوں نے حمایت اللہ کی شاعری سے ایسے الفاظ کی نشاندہی کی ہے جو لسانی تحیر کا باعث ہوتے ہیں ۔ یہ جائزہ بڑا اہم بھی ہے اور کامیاب بھی ۔

دھنک رنگ میں دوسرا مضمون ہندوستان کے مشہور مزاح نگار مجتبیٰ حسین کا شامل کیا گیا ہے عنوان ہے "ح سے حیدرآباد ، حمایت اللہ اور حسِ مزاح" ۔۔۔ مجتبیٰ حسین نے اپنے اس مضمون کی ابتدا میں تین واقعات درج کرتے ہوئے حیدرآباد دکنی حسِ مزاح کو واضح کیا ۔ اور "زندہ دلانِ حیدرآباد" کے فطری وصف کا کامیاب تجزیہ کیا ہے اپنے اس مضمون میں

مجتبیٰ حسین نے حمایت اللہ سے اپنے دیرینہ تعلقات کا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حمایت اللہ کی شخصیت ان کی مزاح نگاری، ان کی اداکاری، دوست و احباب سے ان کی رواداری اور ان کی انسان دوستی کا مفصل بیان کیا ہے حمایت اللہ کے اوصافِ حمیدہ کا بیان کرنے کے بعد ان کی سیرت و شخصیت کا احاطہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :-

> حیدرآباد اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ یہاں ایک ایسا فنکار موجود ہے جس نے مزاح پیدا کرنے کے سارے حربوں کو اختیار کر رکھا ہے وہ ایک بہترین اداکار اور بہترین مزاح کار تو ہے ہی ایک بہترین مزاحیہ شاعر بھی ہیں۔ بلکہ میں تو انھیں دکنی زبان کا آخری مستند مزاحیہ شاعر تسلیم کرتا ہوں۔ پچھلی نصف صدی کے حیدرآبادی مزاح کو وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اکیسویں صدی کے دروازے تک لیے آئے ہیں۔ ۵۱

دھنک میں تیرا مضمون استاذ الاساتذہ ڈاکٹر زینت ساجدہ کا دل کو چھو لینے والا مضمون شامل کیا گیا عنوان ہے "تو دکنی ہے پیارے تو دکنیچ بول" ڈاکٹر زینت ساجدہ حمایت اللہ کی ایسی دوست ہے جنھوں نے بزرگ ہونے کے ناتے ہمیشہ سرپرستی کی۔ ان کی بزرگیت اور ان کا خلوص

---

۵۱ مجتبیٰ حسین "ج سے حیدرآباد حمایت اللہ اور حسن مزاح" مشمولہ دھنک صفحہ ۲۲

مضمون کی ایک ایک جملے سے امنڈ پڑتا ہے۔ انھوں نے دکنی زبان۔ اسکے روزمرہ پر اظہار کرنے کے بعد حمایت اللہ کی فن اور شخصیت پر روشنی ڈالی ہے۔ فائن آرٹس اکیڈیمی اور "زندہ دلان حیدرآباد" جیسے اداروں کی بنیاد رکھنے اور انھیں پروان چڑھانے میں حمایت اللہ کے رول کا تذکرہ کیا ہے اور آخر میں حمایت اللہ کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے ان کی شاعری کے موضوعات کا بیان کرتے ہوئے مختلف موضوعات کے تحت ان کا کلام بھی درج کیا ہے۔

دھنڑی میں صفحہ تینتیس ۳۳ سے نظمیں درج کی گئی ہیں۔ جن میں دو حمد ہیں۔ اور ایک نعت (صرف ایک ساق نامہ) چوبیس ۲۴ نظمیں ہیں سترہ غزلیں ہیں۔ مجموعے کے آخر میں متفرقہ اشعار۔ جوڑے اور جھکڑی درج کئے گئے ہیں۔ دھنڑی کے ترتیب و تزئین میں بڑا اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ جہاں چاند ہوگا وہاں چکور ہوگا۔ چنانچہ وہ دھنڑی کے آخری حصہ میں بعض جوڑے دوبارہ چھپے ہیں صفحہ ۱۲۰ پر "سپردگی" کے عنوان سے جوڑا درج کیا گیا ہے۔ یہی جوڑا بغیر کسی عنوان کے صفحہ ۱۲۶ پر دوبارہ درج ہوا ہے اسی طرح صفحہ ۱۲۱ پر ایک جوڑا "اردو کے حق میں" کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے۔ یہی جوڑا بنا کسی عنوان سے صفحہ ۱۲۶ پر درج ہے صفحہ ۱۲۱ پر ہی "معنی میں" کے عنوان سے جوڑا ملتا ہے یہی جوڑا صفحہ ۱۲۶ پر بھی درج ہوا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ہر دو جگہ بعض دکنی الفاظ کے معنی حواشی میں درج کئے گئے ہیں۔ جو یکساں ہیں۔ (بہت ممکن ہے کہ یہ کمپوزر کمپوزنگ یا طبع کی غلطی ہو) ۔ دھنڑی ۱۲۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

حمایت اللہ کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے مندرجہ بالا سطور میں کہا گیا ہے کہ ان کے موضوعات متنوع ہیں۔ حمایت اللہ کی شاعری کے موضوعات کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر زینت ساجدہ لکھتی ہیں :۔

> آپ کو حمایت اللہ کی شاعری میں سماجی باتیں بھی ملیں گی اور سیاسی بھی گھریلو چھوٹی چھوٹی بہ ظاہر غیر اہم مگر دراصل گہری بصیرت کی باتیں بھی ملیں گی اور واقعات حاضرہ پر چلتا پھرتا ہلکا پھلکا تبصرہ بھی۔ چھوٹی سے چھوٹی تفصیل ان کی نظروں کی گرفت میں آجاتی ہے۔ چاہے کا مسئلہ ہو کہ اچھوتوں سے سلوک، اردو کے سلسلے میں سیاست دانوں کے زبانی دعوے ہوں یا نوجوانوں کا کھلنڈرا عشق، سب ان کی نظموں میں قطعات میں حرکی تصویروں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کا طنز محسوس کرنے میں تیکھا نہیں خوش دلی کا انداز رکھتا ہے۔ مگر ہنس کر ہنسا کر ادبی سنجیدہ غور و فکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ ویسے تو مجھے حمایت اللہ جو کچھ کہتے ہیں پسند آتا ہے وہ میرے ایک بھائی کے بچپن کے دوست ہیں۔ اسی لئے وہ مجھے اپنے چھوٹے بھائی جیسے ہی

لگتے ہیں۔ اور وہ بھی مجھے بڑی آپا ہی سمجھتے ہیں۔ مجھے خاص طور پر
ان کی نظم "شاخِ گل" پسند آتی ہے۔ جتنی بار سنوں اس کا
ڈنگ چوکھا ہی ہوتا ہے۔ یہ نظم پیروڈی نہیں ہے بلکہ حمایت
کی تخلیق کردہ ایک نئی صنف ہے جس میں انھوں نے اپنے انداز
میں ایک مشہور شعر کی تشریح اور تضمین کی ہے۔ ایک بلند
پایہ شاعر کے شعر کو اس طرح بیان کرنا بڑے دل والے کی
بات ہے۔ مگر وہ اس طرح قائل کرتے ہیں کہ بے ساختہ
داد دینی پڑتی ہے۔" ۵۲

شاعر جس زمانے میں سانس لیتا ہے اس زمانے کی چھوٹی سے چھوٹی بات پر اس کی نظر ہوتی ہے شاعر کی آنکھیں گذرتے ہوئے منظر کو تو دیکھتی ہے لیکن اس کی دور بین نگاہیں اس منظر کے ساتھ ساتھ مستقبل کی تصویر بھی دیکھ لیتی ہے اور اس کو اس کی فکر اپنے گداز قلب کے ساتھ شعر کے پیکر میں ڈال دیتی ہے۔ ہندوستان جمہوری ملک ہے یہاں حکومت عوام کے لئے، عوام کی طرف سے عوامی حکومت ہوتی ہے اس عوامی حکومت کا قیام کورٹ کے ذریعہ کیا جاتا ہے اور کورٹ کے لئے الیکشن کیشن معنید مدت پر ووٹنگ کرواتا ہے الیکشن کا زمانہ انتہائی نازک، حساس اور پرخطر ہوتا ہے۔ حمایت نے دکنی لوک گیت کے طرز پر ایک نظم "نانی ماں" لکھی ہے۔ نواسہ نانی سے ممکن

---

۵۲ ڈاکٹر زینت ساجدہ "تو دکنی ہے پیارے دکھنیچ بول" ــــ صفحہ ۲۸۔۲۹

قصے سنتا ہے اور پھر نانی ماں کے قصّوں کے پس منظر میں اپنے زمانے کے حالات واقعات کا جائزہ لیتا ہے حمایت اللہ کی یہ بڑی خوبصورت اور معنی خیز نظم ہے ۔اس نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو ۔

الیکشن میں آ نے پلاناں بنا دیئں
پلاناں بناکو فسا داں کرا دئیں
فساداں کراکو کمیٹیاں بنا دیئں
کمیٹیاں بٹھا کو دلوں کو ملا دیئں
مرگیئے سو مردوں کے کردیئں علاجاں
جی نانی ماں کیا ہے کی کیانئیں کی "

اس بند میں ہندوستانی رہنماؤں کے الیکشن میں جیتنے کے ہتکنڈوں کا بیان کیا گیا ہے معصوم نواسہ کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا ہے کہ نانی ماں کے زمانے میں امن وامان دوستی اور بھائی چارہ کا ماحول کیسے ممکن تھا ۔ حمایت اللہ نے اس بند میں ایک مصرعہ لکھا ہے ۔

ع ."فساداں کراکو کمیٹیاں بنا دیئں" گویا فسادات مذہبی منافرت کی بنا پر پھوٹ نہیں پڑتے بلکہ اس سیاسی رہنمائی کی الیکشن حکمت عملی کا سبب ہوتے ہیں۔ فسادات ہی کے تناظر میں ان کی نظم "نیا سال" کا یہ بند ملاحظہ ہو ۔

وہ دل میں غموں کی چبھن اس سے پوچھو
زخم پو نمک کی جلن اس سے پوچھو

ارے بے بسی کی گھٹن اس سے پوچھو
جو باپ اپنے بیٹا دفن کر کو آیا
نیا سال آیا ، نیا سال آیا۔

اس بند کے بین السطور حمایت اللہ نے فسادات کے باعث لاگو ہونے والے کرفیو، پولیس کے ظلم وستم امن پسند عوام کی بے بسی ماحول کی انتہا پسندی کا بیان ایک ایسے باپ کے کردار کے ذریعہ پیش کیا ہے جس نے اپنا بیٹا کھو دیا۔

ہندوستانی سیاست کا یہ طریقہ کار بن گیا ہے کہ فسادات ہوتے ہیں اور اس کے بعد امن کمیٹی بنتی ہے ستم ظریفی یہ ہے امن کمیٹی میں شہر کے ایسے ہی لوگ ممبر بنتے ہیں۔ جو فسادات کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اپنے عہد کی اس منفی سیاسی رجحان پر بھی حمایت اللہ نے گرفت کیا ہے۔ ان کی نظم "نیا سال" کا یہ بند ملاحظہ ہو۔

وزن غم کا دل سے ہمارے اتارو
یہ کیسی امن کی کمیٹی ہے پیارو
انہے بھی ہے ممبر کمیٹی کا یارو
کل رات کو جو قتل کر کو آیا
نیا سال آیا ، نیا سال آیا۔

ہندوستانی سیاست کا یہ المیہ ہے کہ الیکشن کی تاریخیں آنے سے پہلے۔ متنازعات تنازعات کو پروان چڑھایا جاتا ہے ہندوستانی سیاست کا جو بھی المیہ ہے کہ آزادی کے بعد ہندوستانی قومی یکجہتی کے علمبردار اور ہندوستانی الاصل زبانِ اردو کو بھی تنازعہ کا شکار بنادیا گیا ہندوستان میں اردو کسی ایک مذہبی فرقے کی زبان نہیں اسے کشمیر سے کنیا کماری تک مختلف فرقے کے لوگ بولتے سمجھتے، لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ چونکہ اردو کے ارتقاء میں مسلمان ادیبوں اور شعراء نے اہم ترین حصہ ادا کیا ہے اسی لئے محض سیاسی فائدے کے لئے اردو کو مسلمانوں سے جوڑ دیا گیا ہے اور اسے پاکستان کی زبان قرار دے کر پوری کوشش کی گئی کہ اس زبان کو ختم کردیا جائے۔ لیکن ہندوستانی سیاست کی یہ مجبوری ہے کہ اردو بولنے والوں کا تناسب الیکشن میں فیصلے کی حیثیت رکھتا ہے چونکہ سیاستدانوں کو بھی اس کا بخوبی علم و اندازہ ہے اسی لئے الیکشن کی تاریخ آنے سے قبل ہی اردو کے ساتھ انصاف کرنے کی باتیں کی جاتی ہیں ہندوستانی سیاست کی اس مفاد پرستی کا حمایت اللہ نے نوٹس لیا ہے چنانچہ اپنے جوڑے میں اس مسئلہ کو سوالیہ انداز میں موضوع بنایا ہے۔

الٰہی یہ لیڈر سبھی پاگئے کیا
شرافت کے راستے انہیں بھاگئے کیا
جدھر دیکھئے حق میں اردو کے لیکچر
الیکشن کے دن پھر قریب آگئے کیا۔

ہندوستانی سیاست کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہندوستانی سیاستدان دستور خود ہوتے ہیں اسی کے ساتھ مفاد پرست اور نفس پرست بھی۔ اور اپنے فرائض سے جی بھر کر غفلت برتے ہیں ایک طرف عوام بھوک اور پیاس سے متاثر ہے تو دوسری طرف ان ہی عوام کے مسائل حل کرنے کے لئے سیاستدان و لیڈر ڈنر پر مننگ کرتے ہیں حمایت اللہ ہندوستانی سیاست کے اس نادرشاہی کا بیان اپنے ایک چھکے میں کیا۔

غریباں تو پریشانی برگ بھر دیٹں سو بھرے ہیں
تمیں کتا بھی بھوکو لیڈراں کرے سو کرے ہیں
ہماری بھوک اور افلاس کو جڑ سے مٹا دینے
ڈنر پو میٹنگاں ہو رہیں ہمیں مر رہیں سو مرے ہیں
ادھر چیر کے دھڑے سے ادھر منہ میں برف دے دیٹں
ادھر دعوتاں بھی جم کو بھر دم کرے سو کرے ہیں۔

حمایت اللہ نے اپنے عہد کی عصری حیثیت کا بیان کرتے ہوئے حقیقت نگاری سے بھی کام لیا ہے اور ایک فن کار ہونے کا فرض بھی نبھایا ہے ان کی حقیقت نگاری کا یہ بیان صرف سیاست ہی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ عصری حسیت کے دوسرے موضوعات پر بھی انہوں نے اظہار خیال کیا ہے۔ جنگ آزادی کی لڑائی میں مہاتما گاندھی نے چھوت چھات کو ختم کرنے کی۔

بھرپور کوشش کی۔ پھر بھی آرامبیڈکر نے نچلی ذات کے لوگوں کے حق میں قانونی لڑائی بھی لڑی لیکن آج بھی چھوت چھات کا موضوع جہاں پہلے تھا وہی موجود ہے۔ اس استثنیٰ کے ساتھ کے انھیں ملازمتوں میں چند مراعات دے دی گئیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو مزدور بھگوان کے گھر کی تعمیر کرتا ہے اسی مزدور کو اجازت نہیں کہ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے اس مندر میں پوجا کرے۔ حمایت اللہ چھوت چھات کے موضوع پر اپنے ایک چوتے میں کہتے ہیں۔

میں بڑے لوگوں کے گھر کو کبھی نہیں جاتا کتے
میں ہریجن ہوں میں دیوں میں بھی نہیں جاتا کتے
کل صبح کو دو پجاری آ کو یہ بولے مجھے
ایک نئی دیول بنانے پھر کو میں آنا کتے

یہی نہیں شوہروں کی ظلم و زیادتی کے خاتمہ کے لئے حکومت کی طرف سے بنائے گئے ڈوری قانون پر بھی حمایت اللہ نے تنقیدی نظر ڈالی ہے اپنے ایک شعر میں لکھتے ہیں

عجب قانون ہے ڈوری کا جو دوسٹر بن گئی ہے
مرد کو ساس سسرے کو بٹھا دیتی ہے تھانے میں

ڈوری کا قانون بنا کر حکومت نے یقیناً ایک مثبت اقدام خواتین کے حق میں کیا تھا تاکہ ظالم شوہروں اور ان کے ماں باپ کو جہیز کی بے جا مانگ سے پابند کیا جائے۔ لیکن اس کا اکثر

وبیٹی عاقبت۔ نا اندیش خواتین نے منفی انداز میں فائدہ اٹھایا اس قانون کا المیہ یہ ہے کہ ایسے شریف ساس سسر اور شوہر کو اس قانون کا شکار ہونا پڑا جو حقیقتاً قصوروار نہیں۔

ہندوستان کی گندی سیاست کا ایک تنازعہ یہ بھی ہے کہ اردو زبان کو جس کا علمی ذخیرہ تقریباً آٹھ سو سال پر محیط ہے۔ اس ذخیرے کو ہندی (دیوناگری) ہی میں تبدیل کرنے کی باتیں ارباب اقتدار کی طرف سے کی جاتی ہیں اپنی ایک نظم "اردو کی کہانی" میں حمایت اللہ کہتے ہیں۔

زباں پہ میری تھی جب تم لڑے تھے جنگ آزادی
جو آزادی ملی پھر کیا ہوا بتلاؤں کیا میں
میں اردو ہوں، مجھے ہندی کی لپیٹی اوڑھ لیو بولیں
میں بلبل ہوں، پرائے گھونسلے میں جاؤں کیا میں
میں اردو ہوں، مجھے ہندی کی لپیٹی اوڑھ لیو بولیں
میں بیٹھوں سو ڈھالا کاٹ کو گرجاؤں کیا میں۔

کسی بھی زبان کی شناخت اس کے رسم الخط سے ہوتی ہے اور اس رسم الخط کی جڑیں اس کی تہذیب سے جڑی ہوتی ہیں ہندوستان کی جنگ آزادی میں اردو نے بڑا اہم حصہ ادا کیا ہے اردو شعرا کی انقلابی نظمیں آزادی کے متوالوں کے خون کو گرما دیتی تھی اور ان کا ذہن

رگوں میں دوڑتا پھرتا نہیں تھا بلکہ ہندوستانی آزادی کے لیے آنکھوں سے ٹپک پڑتا تھا ۔

اردو نے جنگ آزادی کو "انقلاب زندہ آباد" کا نعرہ دیا اس نعرہ کا مترادف ہندوستان کی دوسری زبانوں نے تو کجا دنیا کی کسی زبان میں ملنا مشکل ہے ۔ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے میں اردو نے اہم ترین حصہ ادا کیا لیکن آزادی کے بعد اور پاکستان بنتے ہی اردو کو ختم کرنے کی کوشش کی جانے لگی ۔ حمایت اللہ نے اپنی نظم میں اردو کی زبانی ان تمام مراحل کا بیان کیا ہے ۔ ان کا یہ مصرعہ "میں بلبل ہوں پیا کے گھونسلے میں جاؤں کیسا میں" اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ اردو کی تہذیب اس کی اپنی تہذیب ہے وہ کسی دوسری زبان کے رسم الخط کو اپنا کر زندہ نہیں رہ سکتی ۔ بلبل کبھی پیا کے گھونسلے میں پروان نہیں چڑھ سکتی ۔ اس نظم کے آخری شعر میں حمایت اللہ نے انسانی اعضا زبان اور دانت کے کنائے میں بڑا معرکہ کا شعر کہا گئے ہیں ۔

زبان دانتوں کے پہرے میں بھی رہ کر کاں رکی ہو تو
ہے بالکل ٹھیک نقشہ بھی میرا اک جاؤں کیسا میں

۱۹۶۰ء کے بعد ہندوستانی سیاست میں قومی یکجہتی کی اصطلاح استعمال کی جانے لگی ۔ قومی یکجہتی کے اس عنصر کا بیان بھی حمایت اللہ کے یہاں ملتا ہے ۔ ان کی ایک نظم "آنکھوں کا عطیہ" کے نام سے ملتی ہے اس نظم میں انھوں نے تین کردار پیش کیے ہیں عاشق مزاج کا کردار، گنگا جمنی تہذیب کے دلدادہ کا کردار، ناانصافی کا شکار آدمی کا کردار ۔ آخر الذکر دو کردار ایسے مثالی کردار ہیں جو محب وطن

بھی ہیں اور جو جنگ آزادی کے حالات سے کما حقہ واقف بھی ہیں اس نظم میں حمایت اللہ نے ہندوستانی سیاستدانوں اور ایسے رہنماؤں کی جنکا سیاسی عقیدہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو ہے کی خوب خبر لی ہے۔ ساری نظم ایک ایسے پیکر کی شکل میں سامنے آتی ہے جو محب وطن ہے اس نظم کے مختلف حصوں سے چیدہ چیدہ اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

یہ ارمان تھے میرے، منتاں تھے اب ملک بھر میں
امن رہنا محبت دوستی رہنا تھا گھر گھر میں

مذہب مندر میں، مسجد میں گردوارے میں ہونا تھا
پھر اس سے ہٹ کے آپس میں بیچ انسان رہنا تھا

ذرا انسانیت پو تم رحم کھاؤ، سنرم پکڑ دو
ذرا تم کھیل کے میدان میں جاؤ، سنرم پکڑ دو
ہے واں ہر ذات کے بچے مگن، ہے دوستی سب کی
مزے میں کھیل دیں، نہ بھید نہ بھاؤ سنرم پکڑ دو

ارے کیا چھوٹے بچوں سے تمھاری ہے عقل چھوٹی۔
تمھیں آپس میں لڑا کر کریں تقدیر کو کھوٹی۔

براں دیسے لگ ہے بروانہ، برا چھوڑ گئے تو کیڑا ہے
امن ہے تو ہے آزادی، امن نئیں ہے تو بیڑا ہے۔

ذرا سوچو وہ دن جب ہم کو انگریزاں لڑاتے تھے
لڑا کو ہم کو آپس میں حکومت کو چلاتے تھے
ہمیں لڑ کو بغل میں جب غلامی کو سلاتے تھے
ہمارا خون ہم اپنے مٹی میں ملاتے تھے

—.—

ہوا جو اتحاد اپنا تو دنیا کو ہلا ڈالے
تھا انگریزوں کو جس پہ ناز وہ سورج ڈبا ڈالے

—.—

غلامی سے قسم کھائے تھے ہم سنگات رہنے کی
ہوئیں آزاد تو اب ہو گئی پنچایت جینے کی.

—.—

انھیں اس ٹیم تک محفوظ رکھ ڈالو میرے آنکھاں
وہ ٹیم آیا تو کسی کو بھی دکھا ڈالو میرے آنکھاں

—.—

ان آنکھوں کو دکھلا دیو میرا انعام ہو جائیں گا
تڑپتی سوز و حالی کو میری آرام ہو جائیں گا.

—.—

نظم کا آخری شعر حمایت اللہ کی ایک آرزو بن کر سارے گداز قلب کے ساتھ دل کی دعا بن کر ادا ہو رہے:۔

کنارے پو یہ کشتی کو لگا دے رے میرے اللہ
وطن سے پورے غداراں اٹھا لے رے میرے اللہ

کاش حمایت اللہ کی ہر دعا خدا قبول کرلیں ۔

حمایت اللہ نے اس دعا کو بڑے خلوص دل سے لکھا ہے پڑھنے ہی سے تاثیر کا اندازہ ہوتا ہے دعا کیسی ہونی چاہیئے کس طرح کرنی چاہیئے اس کی کیفیت اور ماہیت کا اندازہ بھی ہمیں حمایت اللہ کے اس شعر میں ملتا ہے ۔

دعا کرنا تو یوں کرنا کہ عرش ہلنا فرش ہلنا
دعا کو جیسی تیسی آہوں سے بھڑکانے تو کیا ہوتا ۔

حمایت اللہ کی ایک نظم "نیا سال" دھنک میں شامل ہے اس نظم میں بھی ہمیں حمایت اللہ کی ایک دعا ملتی ہے ۔ نئے سال کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ گزشتہ برس کے اندھیرے اب ہمیں مت دینا دیکھئے ۔

گئے سو سال کے ویسا تو ، ہم کو ہاتھ نکو دے
تو اب فرقہ پرستوں کا کبھی بھی ساتھ نکو دے
اجالے زندگی کے دے اندھیری رات نکو دے
تو دینا ہے تو سزا دے دے مگر تو مات نکو دے

حمایت اللہ کے نزدیک دعا صرف مثبت نتائج کی حامل ہوتی ہے ان کی معصومیت پر حیرت ہوتی ہے کمپیوٹر کے اس زمانے میں وہ اللہ سے توقع رکھتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں جن کے لئے بددعا کی جا رہی ہے انہیں تو خوش حال رکھ ۔

میرے مولا ان کو تو خوش حال رکھ

بد دعا کراؤں میں جن جن کے لئے۔

ہندوستان کی عوام توہم پرست واقع ہوئی ہے۔ توہم پرستی اس حد تک ہندوستانیوں کی زندگیوں میں جگہ پاچکی ہے کہ ہم نے بیشتر توہمات کو مذہب کا جزو بنالیا ہے۔ حمایت اللہ نے اپنی بعض نظموں کے موضوع کی مناسبت سے سیاق سباق کے لحاظ سے ہندوستانی عوام میں موجود اس توہم پرستی کو بھی اپنی شاعروں میں اشارتاً بیان کیا ہے۔

میرے میں کیا کمی تھی جو لایا اسے

لایا ڈم پونلی کو، لبھایا اسے

ہو کو جاؤ شیخ سدو کا سایا اسے

دل پو آرے چلایا جی مانتی ملا۔

یہ اشعار ان کی نظم سوکن سے اخذ کیے گئے ہیں۔ پہلی بیوی سوکن کے گھر آنے پر یہ اشعار کہتی ہے اور سوکن کو یہ بد دعا دیتی ہے کہ اس میں "شیخ سدو" کا سایہ ہو جائے۔

ہندوستان میں دلی اور لکھنؤ کی تہذیب نے نفاست اور رکھ رکھاؤ میں سارے ملک میں شہرت رکھتی ہیں۔ ان شہروں کی تہذیب رکھ رکھاؤ اور حفظ مراتب کا یہ عالم تھا کہ بزرگ کے آگے خرد (بڑوں کے آگے چھوٹے) بڑے سے بڑے گناہ کا الزام خاموشی سے اپنے سر لے لیتے

لیکن بزرگوں کی کہی ہوئی بات کے خلاف جانا یا حقیقتِ حال کا بیان معیوب تصور ہوتا۔ اسی تہذیب کا حسنِ سلوک یہ بھی تھا کہ شوہر اپنا بیوی کے نام سے مخاطب کرنے میں عیب تصور کرتا اور یہی کیفیت بیوی کی ہوتی۔ تہذیب کی اس روایت کا بیان مزاحیہ انداز میں حمایت اللہ اپنی نظم "دکنی شوہر لکھنوی بیوی" میں کیا ہے تین شعر ملاحظہ ہو۔

میں مرجاؤں گا مگر لینا تمارا نام مشکل ہے
ہمارے باپ دادا نئیں کرے سو کام مشکل ہے
تمارا نام سونچا بھی تو دل میں کلبلی ہو رئی
تمارا نام لینا سونچ رؤں تو گدگلی ہو رئی
تمارے کو کوئی بچہ بھی نئیں ہے وہ اگر ہوتا
اجی بچے کی ماں بول کو تمارے کو بلا تا تھا۔

ہندوستانی تہذیب میں خصوصاً قدیم انسانی تہذیب میں عورت کو بڑی عزت سے دیکھا جاتا ہے۔ قدیم ہندوستانی تہذیب میں پاروتی، لکشمی، سرسوتی جیسے نام ملتے ہیں جو بھگوان کے اوتار ہے اسلام میں ماں کا درجہ اس قدر ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کے قدموں کے نیچے جنت ہونے کی بات کہی گئی ہے ایسی عظمت و عفت بہن اور بیٹی کے لئے بھی ہوتی ہے ان رشتو سے ہٹ کر ہندوستانی تہذیب میں یہ بات انتہائی معیوب سمجھی جاتی ہے کہ کوئی مرد کسی خاتون پر حملہ کرے یا اس کو ستائے حمایت اللہ بھی ہندوستانی تہذیب کے اس پاکیزہ مظہر سے بخوبی

واقف ہیں۔

آزادی کے بعد ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں جب اقتدار "جنتا پارٹی" کو عوام نے سونپا تو مرارجی بھائی دیسائی کو ہندوستان کا وزیراعظم بنایا اس الیکشن میں کانگریس کو شکست ہوئی کانگریس کی رہنما شریمتی اندرا گاندھی تھی۔ الیکشن سے دو سال قبل اندرا گاندھی نے ملک میں موجود اندرونی انتشار و خلفشار کی بنا پر ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایمرجنسی کا نفاذ کیا تھا جب جنتا پارٹی کی حکومت بنی تو اندرا گاندھی کے کردہ گناہوں کی "سزا" دینے کی غرض سے انہیں مرارجی دیسائی کے حکم پر گرفتار کیا گیا یہ حقیقت ہے کہ اندرا گاندھی نے برسر اقتدار رہتے ہوئے بے شمار زیادتیاں کی تھی اور ان کو سزا دینا سیاسی اعتبار سے شاید جائز اور مناسب بھی تھا۔ لیکن ہندوستانی تہذیب کے تناظر میں کسی عورت کو سزا دینا معیوب عمل تصور کیا جاتا ہے ہندوستانی تہذیب میں خواتین کو معاف کیا جاتا ہے سزا نہیں دی جاتی۔ حمایت اللہ نے اپنی نظم "مرارجی بھائی" جو کہ لوک گیت کے طرز پر لکھی گئی ہے میں ہندوستانی تہذیب کی ان ہی اقدار کو بیان کرتے ہوئے مرارجی دیسائی کے عمل کو معیوب قرار دیا ہے نظم کے صرف دو بند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مرارجی بھائی تیس لنگڑے سپئی

ایک ناری پو حملہ، تھو، تھو، تھو،

بڑائے اتا سا مسلہ تھو، تھو، تھو،

ایک عورت سے بدلہ تھو، تھو، تھو،

ناک پہ انگلی رکھ کر بولو جی اوئی

مرارجی بھائی ہیں لنگڑے سپنی

کیا وہ پورس کا قصہ یاد نہیں ہے

وہ سکندر کا بدلہ یاد نہیں ہے

کون تھی اپنی اندرا یاد نہیں ہے

ہاتھ میں بنگڑیا پہنو، ناچو تھنی تھنی

مرارجی بھائی ہیں لنگڑے سپنی

اس نظم میں حمایت اللہ نے ٹیپ کا مصرعہ ہر بند کے بعد دہرایا ہے یہ مصرعہ پانچ بند پر مشتمل ہے گویا مخمس کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔ ٹیپ کے مصرعے میں ردیف انھوں نے "لنگڑے سپنی" رکھی ہے یہ لفظ دراصل استعارہ ہے نامکمل انسان کا یا نامکمل مرد کا اور اپنے سیاق و سباق میں بڑی اہمیت کا حامل ہے نظم کا آخری بند اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے کہ اس بند میں انھوں نے ہندوستان کی تاریخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بات کو واضح کیا ہے کہ اسی دیش میں سیتا جیسی ہستی بھی تھی جن کا ایک بھگت "ہنومان" تھا جس نے سیتا ماتا کو بچانے کے لئے راون سے مقابلہ کیا تھا اور اس کے محل کو آگ لگا دی تھی اس نظم کا آخری بند ملاحظہ ہو۔

کیتیں پے دیش سو پھل بھی یا نینچ ملیتیں

اپنی کرنی کے بدلے یا نینچ ملتیں

راونا کو بھوماں یا نینچ ملیتں

چرن سنگھ چپا لگاتیں پیپنی۔

اس بند میں چرن سنگھ کا بھی نام آیا ہے جو مرارجی دیسائی کے نائب وزیر اعظم تھے حمایت اللہ نے لکھا ہے کہ "چرن سنگھ" پیپنی لگادیں" — پیپنی لگانا دکن میں مروج ہے عموماً بریانی پکاتے وقت گوشت کو خستہ کرنے کے لیے پیپنی لگائی جاتی ہے اس مصرعے کے مرادی معنی یہ ہیں کہ مرارجی دیسائی کو اس حرکت پر چرن سنگھ نے اکسایا۔

دکھڑی حمایت اللہ کے کلام کا پہلا مجموعہ ہے انھوں نے بیسویں صدی کا نصف آخر کی ابتدا میں شاعری شروع کی یہ عہد متینی زمانہ کہلاتا ہے دکنی زبان کی ابتدا کو چار سو سال بیت چکے تھے۔ ہندوستان کے افق پر اردو کی بربادی کے مشورے ہو رہے تھے لیکن ایسے ماحول کو حمایت نے دکنی کو وسیلہ بنا کر شعر کہنے لگے اور طنز و مزاح کو اپنا اسلوب قرار دیا مندرجہ بالا صفحات میں حمایت اللہ کی شاعری کے تناظر میں ان کے کلام اور ان کے کلام کے موضوعات کا جائزہ پیش کیا گیا حمایت اللہ نے طنز و مزاح کے پیرائے میں عصری حیثیت، عصری سیاست پہ تنقیدی نظر ڈالی ہے ان کی نظموں کے موضوعات سے قطع نظر طنز و مزاح مقصود بالذات ہے انھوں نے متنوع موضوعات کو طنز و مزاح کے وسیلے ہی سے بیان کیا ہے۔

کسی بھی ملک کی ترقی کا دار و مدار اس کے طالب علموں پر ہوتا ہے اور طالب علموں کی اچھی تعلیم و تربیت اسکولوں کے مرہون منت ہوتی ہے ۔ آزادی کے بعد تعلیم کو پیسے کمانے کا کاروبار بنا لیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ طالب علم بھی دلیری کے ساتھ ساتھ داداگری اور غنڈہ گردی کو اپنا لیا ۔ امتحان حال میں چاقو کی نوک پر نقل کرنا عام سی بات ہوگئی ۔ طالب علموں کے اس رجحان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیچر یا مدرس اپنی جان کی عافیت منانے لگے اسکولوں میں تعلیم طالب علموں کی حالت اور خالی جماعتوں کا بیان کرتے ہوئے اپنی نظم نانی ماں میں ننھے نواسے کی زبان پر مزاح انداز میں حمایت اللہ سوال کرتے ہیں ۔

سنو پڑھنے والوں کے قصے ہمارے
بتاتے ہیں ٹیچر کو چاقو کے دھارے
ہو ویں پاس داداگری کے سہارے
بتاتے ہیں ہوٹل کو اڈا بچارے
اسکولاں چالو ہیں خالی کلاساں
جی نانی ماں کیا ہے کی کیا نئیں کی ۔

تعلیم اور مدرسوں کی طرح شفا خانے بھی تجارت کا ذریعہ بن گئے ہیں حمایت اللہ نے تعلیم کی طرح شفا خانوں کا بھی نوٹ لیا ہے "آپریشن" کے عنوان سے لکھی گئی اپنی نظم میں ایک ایسے

مریض کا ذکر کرتے ہیں جس کا آپریشن کیا جاتا ہے لیکن جب وہ دواخانہ کے بستر پر اپنے آپریشن کا انتظار کر رہا ہے لیکن وہ اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ جس مریض کو آپریشن تھیٹر لے جایا جاتا وہ زندہ واپس نہیں آتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فطری طور پر وہ پریشان اور ہیبت زدہ ہے اور جب ڈاکٹر اس سے کہتا ہے کہ آنے والے دن اس کا بھی آپریشن کیا جائے گا وہ خود ہی دم توڑ دیتا ہے شعر ملاحظہ ہو۔

کل تمہارا آپریشن ہے میں تیار رہو

اتنا سننا تھا کی پیشنٹ سانس لینا بھول گیا۔

سرجن کے ہاتھوں آپریشن کے ٹیبل پر مریضوں کا ختم ہو جانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تعلیم صحیح طریقہ سے نہیں دی گئی تعلیم حاصل کرنے کے دوران کہیں نہ کہیں چور دروازے سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اور پھر رشوت کے ذریعہ عہدوں کے حاصل کرنے کا نتیجہ لازمی طور پر تکبر کی شکل میں سامنے آتا ہے تکبر کے موضوع پر نمایت اللہ نے ایک چوا لکھا ہیں۔

تکبر کی ننگی ڈور یہ جھوٹے پومت جھولو

یہ دنیا چار دن کی ہے عیش اتے پومت پھولو

تم انگلینڈ رٹرن ہوں گے۔ تو لعنہ لو کینکو بل کھاریں

کرے گا ورلڈ ریٹرن اللہ تمہارے کو یہ مت بھولو۔

علامہ اقبال نے اردو شاعری کو فلسفۂ خودی عطا کیا۔ جو ان کی فکر میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اقبال کا یہ فلسفہ دراصل حرکت و عمل سے عبارت ہے۔ چنانچہ مشہور مصرعہ ہے۔

ع۔ "عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی"، عمل سے زندگی کے جنت و جہنم بننے کا تصور تو مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ انسان عمل ہی سے اپنی زندگی کو بنا اور سنوار سکتا ہے عمل دراصل انسان کو جمود سے باز رکھتا ہے انسانی زندگی سے جمود کا ہٹنا اسکی ترقی اور ارتقاء کا ضامن ہوتا ہے۔

حمایت اللہ کے مجموعہ کلام "دعتری" جب ہم بغور مطالعہ کرتے ہیں تو دکنی طنز و مزاح کے اس مجموعہ میں ہمیں چند اشعار ایسے بھی مل جاتے ہیں جس میں حرکت عمل کی ایسی چنگاریاں موجود ہیں جو شرارے بن سکتے ہیں۔ ان اشعار کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ حمایت اللہ بہ حیثیت انسان دوسروں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ "کر محنت کھا نعمت" اور اسی لئے وہ کہتے ہیں حرکت میں برکت ہے شعر ملاحظہ ہو۔

زرا میدان میں آؤ حرکت میں برکت ہے
طرم خاں ہوں میں یوں کرتا ہوں فرمانے تو کیا ہوتا۔

سچ ہے طرم خاں ہونے سے کچھ نہیں ہوتا اور نہ صرف خیالوں میں پلاننگ کرنے سے کچھ ہوتا ہے۔ اکثر لوگوں کا یہ وطیرہ ہوتا ہے کہ وہ محنت سے تو جی چراتے ہیں لیکن ہمیشہ بین کرتے رہتے ہیں

کہ ہمارے ساتھ یہ خراب ہوا ہمارے ساتھ یہ خراب ہوا ایسے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے حمایت اللہ کہتے ہیں۔

کرے محنت تو پھر اللہ میاں نعمت بھی دیتے ہیں
وقت کا نکو کھپارے رے سیاں روتے بلانے میں

موت کو میر تقی میر نے ماندگی کا وقفہ قرار دیا ہے حمایت اس موت کو جمود سے تعبیر کرتے ہیں اپنے ایک چوتے زندگی اور موت میں لکھتے ہیں۔

ہے وقت اب بھی زرا تو کچھ نہ کچھ کرلے بھیڑو
یاد رکھ پچھتائیں گا جب بندگی کھو جائیگی
زندگی کی گود میں اب موت سو رہی ہے میاں
موت کے آنکھاں کھلے تو زندگی سو جائیگی۔

اس چوتے میں ایک ردیف بھیڑو کا استعمال کیا ہے انھوں نے دکنی میں "بھیڑو" ہم پیشہ اور بے تکلف دوست کو کہتے ہیں۔

حمایت اللہ صرف حرکت وعمل کا درس ہی نہیں دیتے عمل کی بنا پر حاصل ہونے والی نعمت کی نوید بھی دیتے ہیں۔

جاگ اب رات اجالا بن گئی
تو جو بویا وہ نوالا بن گئی۔

جاگ اب جاگ بھی جا رے غافل

متی ڈ غالی سو ڈ غالا بن گئی۔

حمایت اللہ بنیادی طور پر مزاح کے شاعر ہیں۔ لیکن جب وہ عصری حیثیت کے مسائل کو اپنے کلام میں موضوع کرتے ہیں بر بنائے اصلاح طنز سے بھی کام لیتے ہیں ان کا یہ طنز سننے والوں پر نشتر کا کام نہیں کرتا بلکہ ایک خوش آئند شگفتگی عطا کرتا ہے ایسی شگفتگی جو تعمیر کا باعث بنتی ہے شعر ہے۔

نیاز پکایو مرشد میرے فاتیا دینے آئے ہیں

آنکھیاں بچیوں کے اوپر ہے تسبیح کو بھی رواں رئیں۔

حمایت اللہ کا یہ شعر پڑھنے والے کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنے غلط تصورات کی بنا پر اپنے ہی گھر میں آگ لگاتے ہیں۔ اس شعر میں سوال عقیدہ کا نہیں ہے جو امر واقعہ اس میں بیان ہوا وہ حمایت اللہ کے مشاہدے کی دلیل تو پیش کرتا ہی ہے اسی کے ساتھ اندھا عقیدہ رکھنے والوں کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ ذیل میں حمایت اللہ کے چند ایسے منتخب اشعار و چوتے درج کیے جاتے ہیں جو ان کے کلام کے مزاج کو ظاہر کرتے ہیں۔

میں تو جاروں، جا کے آروں کیا ہوتا کی کیا نئیں کی

خوش بھی ہوروں پھر گھبراروں کیا ہوتا کی کیا نئیں کی۔

آپ میرا اب دودھ بخش دیو بولا چالا معاف کرو

اماں پاکستان کو جاروں کیا ہوتا کی کیا سنئیں کی ۔

موت کی چدر اوڑھ کو جاروں جینا بس کی بات نہیں

کلیا لھر کو ادرتے پن پینا بس کی بات نہیں

پاکستان کو جاروں میرا دودھ بخش دیو معاف کرو

جانا تو بس میں ہے اماں آنا بس کی بات نہیں ۔

حمایت اللہ نے مختلف شعراء کے کلام کی پیروڈی بھی کی ہے سیماب کے ایک شعر کی پیروڈی انھوں نے بڑے اچھے انداز میں کی ہے پیروڈی کیا ہے اچھا خاصہ منظوم علمی تنقید کا نمونہ بن گیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعتاً حمایت اللہ نے اس ایک شعر کی تشریح اس انداز سے کی ہے اور اتنے متنوع سوالات اٹھائے ہیں کہ اس پیروڈی کو پڑھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ حمایت اللہ نے اردو نظم میں کوئی نئی صنف اختراع کی ہے حمایت اللہ کی نظم عنوان "شاخِ گل" ہے جو کہ سیماب اکبر آبادی کے شعر سے ماخوذ ہے اس پیروڈی کا مطالعہ کرنے کے بعد ڈاکٹر زینت ساجدہ لکھتی ہیں کہ یہ نظم پیروڈی نہیں بلکہ حمایت اللہ کی تخلیق کردہ ایک نئی صنف ہے اقتباس ملاحظہ ہو ۔

"مجھے خاص طور پر ان کی نظم "شاخِ گل" پسند آتی ہے

جتنی بار سنوں اس کا رنگ چوکھا ہی ہوتا ہے یہ نظم

پیروڈی نہیں ہے۔ بلکہ حمایت کی تخلیق کردہ ایک نئی صنف ہے جس میں انھوں نے اپنے انداز میں ایک مشہور شعر کی ترمیم اور تصحیح کی ہے۔ ایک بلند پایہ شاعر کے شعر کو اس طرح بیان کرنا بڑے دل والے کی بات ہے۔ مگر وہ اس طرح قائل کرتے ہیں کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے۔①

واقعتاً حمایت اللہ نے "شاخ گل" کو بلکلیہ نئے انداز میں پیروڈی لکھی ہے۔ انھوں نے اقبال کی ایک شعر کی بھی پیروڈی بوتے میں کہی ہے لکھتے ہیں۔

برا ہوں میں نہ اچھا ہوں سزا کیا ہے جزا کیا ہے
اگر منگ کو دیا دعوت تو پھر اس میں مزا کیا ہے
خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقریب سے پہلے
سر پوچھے میزبان تجھ سے بتا تیری غذا کیا ہے۔

حمایت اللہ کے یہاں ایسا کلام بھی ملتا ہے جس کا خیال یا جس کے مضامین کسی شاعر کے مقبول تخلیق سے اخذ کیا گیا ہے۔ حسرت موہانی کی مشہور غزل ہے۔ ع "چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے" حسرت کی اس غزل کو ذہن میں رکھ کر اور حمایت اللہ کے غزل کے اشعار سے لطف اٹھائیے دیکھیئے دکنی لہجے میں یہی مضامین کیسے شگفتہ ہوگئے ہیں۔

---

① ڈاکٹر زینت ساجدہ —— صفحہ ۲۹

ہنسی روکنے اور غصہ بتانے

وہ پلو کو دانتوں میں کچھ کو بگڑنا

میں بھرپور نظروں سے دیکھا تو ان کو

پریشان ہو کو شرم سے سکڑنا

ہمیں کھیل چھپنے کا جب کھیلتے تھے

تو چپ کا چیچ آکو ان کا سپڑنا۔

مرزا غالب کے کلام میں ہمیں یہ عنصر ملتا ہے کہ وہ خدا سے سوال و شکوہ کرنے کا حوصلہ کرتے ہیں۔ شکوہ اقبال نے بھی کیا لیکن غالب کے شکایت کا حاصل خدا کی خدائی پر سوالیہ نشان لگانا ہوتا ہے حمایت اللہ کے کلام میں بھی خدا کے "کن فیکون" پر سوالیہ نشانہ لگانے والا عنصر موجود ہے یہ جو املاحظہ ہو۔

عزت دیا سو تو مجھے ذلت دیا سو تو

اچھی بری ہے جو بھی ہے قسمت دیا سو تو

پھر یہ قبر میں پوچھنا کیسا کو رکھا خدا

ہم کو برائی کرنے کی ہمت دیا سو تو۔

حقیقت یہ ہے کہ عزت و ذلت دینا یقیناً خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن ان دونوں کا دارومدار

انسان کے عمل پر ہوتا ہے چونکہ عزت و ذلت دینے کو خدا سے منسوب کیا جاتا ہے اسی بات سے حمایت اللہ کے یہاں فائدہ اٹھایا۔ اقبال کا شعر ہے۔

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میرے سادگی دیکھ کے کیا چاہتا ہوں

اقبال نے سادگی کے پردے میں اپنا سوال پوشیدہ رکھا کہا جاتا ہے کہ آدمؑ اور حواؑ کو ممنوعہ پھل کھانے پر جنت میں شیطان نے اکسایا تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خدا کے حکم کے بغیر پتہ نہیں ہلتا۔ اب حمایت اللہ کا ایک معصوم سوال خدا سے دیکھیئے۔

غالباً غلام تیرا وہ شیطان کا بچہ
جنت میں کیسا آیا تھا بدمعاش وہ لچا

یہ شعر ان کی نظم "شکوہ" سے منتخب کیا گیا ہے بڑی پر مزاح نظم ہے یہ سوال کے ساتھ ہی حمایت اللہ اپنے سوال کا جواز بھی پیش کرتے ہیں۔ ع "جنت میں تو شیطان کو آنا بھی منع تھا" اس نظم کے آخر میں حمایت اللہ آدم علیہ السلام کا وارث بن کر اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ بندے کو اللہ کی بندہ نوازی پر فخر ہے۔ نظم کے آخری اشعار ملاحظہ ہو شیطان کو ٹھکانے اور انسان کی بندگی کا تقابل کرتے ہوئے انکسار کے ساتھ کہتے ہیں۔

اب اس کے بعد جو تجھے کرنا ہے سو کر دے
دامن مرا انگار سے یا پھول سے بھر دے

دوزخ بھی تیری اور یہ جنت بھی تیری ہے

جاں بھیجنا ہے بھیج، جو مرضی میں تیری ہے

شیطان کو بندے کے بھٹکنے پہ ناز ہے

بندہ کو ناز ہے کہ تو بندہ نواز ہے۔

غالب نے اپنے ایک شعر میں یہ مضمون باندھا ہے کہ شوقِ شہادت پہ جب وہ قتل گاہ کی طرف چل پڑے تو ان کا سایہ ان کے قدم سے دو قدم آگے تھا۔ اور حمایت اللہ کا عمل یہ ہے جب محبوب خط پڑھ کر خفا ہو گیا اور ان کے قتل کرنے کے لیے غصہ میں خنجر اٹھا لیا تو خود انھوں نے خنجر پر سر رکھ دیا۔

دے کو خط ایک بات بولا خفا ہو گئے اُنوں

پھاڑ کو خط کو صنم تکیے کے اُپر رکھ دیا

ہو گئے غصے میں خنجر اس ادا سے وہ اُٹھے

میں خود گلا میرا خنجر کے اپر رکھ دیا۔

غالب نے کہا تھا کہ خلد میں ذوقِ نظر کے لیے حوروں میں محبوب کی شکل بھی نظر آنی چاہیئے ورنہ تسکین نہیں ہوگی۔ حمایت اللہ کو یہ شکوہ ہے کہ دنیا میں جو معشوق سے بچھڑا دیا مرنے کے بعد کیا ہوگا کیا ہے کی کیا سنیں گی۔

ارے اللہ تو معشوقہ کو دنیا میں چھوڑ ڈالا

مرا گاں میں تو حوراں دینگا، کیا ہے کی کیا نئیں کی .

حمایت اللہ "قسمت" کے عنوان سے لکھے ہوئے اپنے چوٹے میں خدا سے یہ شکوہ کرتے ہیں کہ اس نے کالے کاغذ پر پنسل سے ان کی قسمت لکھی .

زندگی اپنی تو نئیں ہے دل سے

قسمتاں کاں سے بدلتیں تلے

میری قسمت کو لکھا سو والا

کالے کاغذ پو لکھا پنسل سے

کہتے ہیں کہ خدا کے نور سے ساری کائنات منور ہے . اور خدا ہر جگہ موجود بھی ہے . یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کا جسم خاکی بھی خدا کے نور ہی کی وجہ سے روشن ہے حمایت اللہ کو یہ خدا سے شکایت ہے کہ ہر جگہ خدا کا نور موجود ہے اور کائنات کی رتی رتی خدا کے نور سے منور ہے تو انسان کی سادی آنکھ سے خدا کیوں نہیں دکھائی دیتا۔

خیر کی رحم و کرم کی بھیک تو گھر گھر دیا

رتی رتی چیز میں تو نور اپنا بھر دیا

تو بیچ نئیں دکھتا ہے، تو ہر جگہ موجود ہے

تو ہمے آنکھاں دیا اور تو بیچ اندھا کر دیا .

حمایت اللہ کی زندگی کا بیشتر حصہ دوسروں کی مدد کرنے میں گزرا باب دوم میں یہ عرض کیا گیا کہ وہ ایک بہت حساس دل رکھتے ہیں ان کا فلسفۂ زندگی یہ ہے کہ کسی کا دل نہ دکھایا جائے اس لئے کہ جب دل پر چوٹ لگتی ہے تو پھر اسے سیا نہیں جا سکتا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

زندگی نئیں ہے تو بولو میں کاں سے جی تئیں
پیاس بن گئی ہے سمندر میں کاں سے پی تئیں
پھٹ گیا جیب یا دامن تو اسے سی لیں گے
پھٹ گئی دل کو اگر کوئی تو کاں سے سی تئیں

حمایت اللہ کی زندگی انسان دوستی سے عبارت رہی ہے انھوں نے خدا سے تو جی بھر کے شکوہ کیا ہی کیا ہے۔ اسی کے ساتھ اپنے وطن کے ہندو بھائیوں کی طرف سے بھی انھوں نے بھگوان سے شکوہ کیا ہے تین شعر کی مختصر نظم میں آخری شعر معنی خیز ہے۔

انسان بنایا سو بھگوان نزے میں ہے
بھگوان بنایا سو انسان نزے میں ہے

یہ بات واضح رہے کہ معنی خیز شعر کہنے سے پہلے اپنی نظم کے پہلے ہی مصرعہ میں انہوں نے یہ مضمون بیان کیا ہے کہ انسان نے مندر بنایا۔ جس میں بھگوان بیٹھا ہے۔

حمایت اللہ کے کلام میں یقیناً طنز و مزاح حاوی عنصر ہے۔ لیکن ان کے اشعار کا

بہ غور مطالعہ واضح کرتا ہے کہ انھوں نے حسب ضرورت اپنے اشعار میں محاورے بھی باندھے ہیں روزمرہ کو بھی برتا ہے۔ اور بعض کھیلوں کے تلازمے بھی استعمال کئے ہیں ذیل کے اشعار ملاحظہ ہو۔

بین بجادئیں جم کو ایسی سارے بھینساں ڈول دئیں (محاورہ بھینس کے آگے بین بجانا)
مودمیں آکو ہم بھی پورا پوتی ناسے کھول دئیں

ہے ہونٹا بھی ہمارے اور ✿ داتاں بھی ہمارے ہیں (محاورہ ہونٹ بھی اپنے دانت بھی اپنے)
ہے کشتی تو بھنور میں پن کی نظروں میں کنارے ہیں

✿
اچھو کی گرد میں رہنا پن لچّوں کی سرحد میں نئیں رہنا (اچھوں کی صحبت اختیار کرنا چاہیئے)
میں تاڑ کی چھاؤں میں دودھ پیا سب لوگ کہہ رئیں تاڑی ہے

✿
میں نئیں آیا تو ساری رات انکھوں میں سرا ڈالے (محاورہ رات انکھوں میں کٹ گئی)
ہوئی کیف تو نکیوں کو آنسو سے کھرا اڈالے

حیدرآباد دکن میں بچے "گولیاں" کھیلتے ہیں جو گولی بہت بڑی ہوتی ہے اسے "ٹمپا یا ٹھپورا" کہتے ہیں۔ گولیوں کے کھیل کے تلازمے کو برتے ہوئے حمایت اللہ نے شعر کہا۔

تو کیسا کھیلتا رے گولیاں جب ٹھپورا نئیں ہے
تیرا سارا وقت جا رئے صرف جاتاں بنانے میں

اس شعر میں یہ نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ کھیل کھیلنے والا کھیل کے تمام اوزار سے واقف

نہیں ہے گویا وہ فنکار نہیں ۔ اپنی نا پختگی کو چھپانے کے لئے باتیں بنایا جارہا ہے ۔ حمایت اللہ نے

اپنے ایک اور شعر میں شطرنج اور پچیسی کا مہروں کو نظم کیا ہے ۔ شعر ملاحظہ ہو ۔

یہ کھیل جو کھیلا ہے سو کیا وہ فرد ہے

ادنیٰ تیرا بندہ تو بے پیرے کے نرد ہے

حمایت اللہ مزاح نگار کی حیثیت سے بھی جانے پہچانے جاتے ہیں ذیل میں چند منتخب

اشعار درج کیئے جاتے ہیں ۔ جس میں مزاح بھی ہے طنز بھی اور دکنی کی چاشنی بھی موجود ہے ۔

اے ہو ے حمایت آس پو بیٹھا ہے دنیا کی

تو پہلے مرتو پھر ہوں گی تیری عزت زمانے میں

خبر کے گھپ اندھیرے میں ڈرگ کھڑروں میں کرنی کا

خبر پو تم حیرانان لاکو سلگائے توکیا ہونا

میرے مجھ کا مرنے پو افسوس کرکے

الوں کھیرکے ساتھ کھا دیئں کتوے

بجلی ہے مسکراہٹ آنکھاں ہیں میکدہ خانہ

میں کیا بتاؤں کاں ہے میرے ہوش کا ٹھکانہ

اب کب تلک دھیگا یہ دوغنا منانا

اب دھن دیو پرلنا تندانا تانا نانا ۔

ان کی چکر میں جب سے سپڑا ہوں
گھر سے نکلا سو نال ہو کو ہوں

• • •

سرال سے موڑ، بی دی، فوج جب دے اپنی بچار ہم کو پھر
اللہ کی مرضی کیا کرتیں اب دھن دیو دو معش ہے

• • •

خوشی میں جب اتریں تو انوں گلنے جواز لائیں
محلے والے ، میں ماروں کی کیا ہے کی ککو آتیں

• • •

حمایت اللہ فطری شاعر ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں روانی اور برجستگی بھی ملتی ہے قلی قطب شاہ کی غزل "رتن مت ، بدن ست" اور سراج اورنگ آبادی کی غزل خبر ا ہے تحیر عشق سن، الخ" اپنی روانی اور برجستگی کے لیے مثال سمجھی جاتی ہے ۔ حمایت اللہ کے کلام میں بھی بعض ایسے اشعار مل جاتے ہیں۔ یہاں صرف ایک شعر درج کیا جا رہا ہے ۔

کرک دیں کیوں، بھڑک جانا سو کیا لیے کو آیا ہوں
اد کھیں ، دیکھ دیں کیسا خزانہ لیے کو آیا ہوں

اس شعر سے لطف اٹھانا اسی وقت ممکن ہے جب اس شعر کو دکنی لہجے میں تمام اعراب کے ساتھ ، آہنگ کی پچ (Pitch) کے ساتھ ادا کیا جائے ۔

دھن مڑی میں حمایت اللہ کا تخلص صرف ایک غزل میں موجود ہے اس کی

وجہ شاید یہ ہو کہ حمایت اللہ کے لہجہ کی انفرادیت پر اس قدر قانع ہے کہ وہ اپنی تخلیق میں تخلص کی بیساکھی ضروری نہیں سمجھتے۔ اس شعر میں بھی حمایت اللہ کا مخصوص دکنی لہجہ اور اسلوب موجود ہے۔

ارے ہوئے حمایت آس پو بیٹھا ہے دنیا کی
تو پہلے مر تو پھر ہوئیگی تیری عزت زمانے میں۔

حمایت اللہ کی شاعری دکنی سے موسوم ہے۔ انھوں نے ابتدا ہی سے دکنی کو وسیلۂ اظہار بنایا۔ آج جب دکنی سمجھنے والے اور پڑھنے والے مفقود ہو گئے ہیں۔ حمایت اللہ اسی زبان میں شعر کہہ رہے ہیں وہ جب شعر پڑھتے ہیں تو لب و لہجہ بھی ان کا خالص دکنی ہوتا ہے ان کے مختصر سے مجموعہ میں دکنی الفاظ (اصطلاحات) روزمرہ اور محاوروں کی ریل پیل نظر آتی ہے ذیل میں دھنکری سے منتخب دکنی الفاظ درج کئے جا رہے ہیں۔ قابل توجہ ان الفاظ کا ہموار موقع استعمال ہے۔

آسمان پو دھنک، ہوئینگا	آسمان پو دھنک دیا سو وہ اللہ کیا ہوئینگا	صفحہ ۲۳
پاتری، پراں	پاتری کے پراں دنگا سو وہ اللہ کیا ہوئینگا	"
ایکیچ	ایکیچ ماں کی ماستا کے میں وارے نیارے ہو جاؤ	"
میا	سرتہ ماں کی میا دیا سو وہ اللہ کیا ہوئینگا	"
ٹک ٹکا کرتیں، ابر نانک دیا	ٹک ٹک کرتیں سو تارے آسمان کے ابر نانک دیا	صفحہ ۲۴

نکودے	— کرم ہونا تیرا انصاف نکودے میرے مولا	صفحہ ۳۵
نڑے	— میں مرتے وقت میری جان جب نڑے میں آجاتی ہے	″
بڑلا	— بوری کا جھک گیا بڑلا ترازو کا تو کیا غم ہے	″
ملتے	— ذرا درد کو کرے سجدہ تو اک ملتے میں آجاتی ہے	″
پن کی	— میرے آنکھیاں تو دے دوں پن کی میری بات مت بھولو	صفحہ ۳۸
ببیچ	— پھر اس سے بنکے آپس میں ببیچ انسان رہتا تھا .	صفحہ ۳۹
زندگانی	— میری قسمت کو یہ دکھنا تو نہیں ہے زندگانی میں	″
پھوڑ کو پھیکو	— دکھا تو ٹھیک نہیں تو پھوڑ کو پھیکو میرے آنکھیاں	″
انکھیاں، نوئے کھیلاں .	— یہ انکھیاں اک قیامت ہے نوئے کھیلا کھلاتے ہیں	صفحہ ۴۰
لے کو گئیں .	— لینے پھانسی جو مرنے کو، تو پولیس لے کو گئیں تھانہ	″
سنگات	— غلامی میں قسم کھائے تھے ہم سنگات رہنے کی	صفحہ ۴۱
پنجایات	— ہوئیں آزاد تو اب ہو گئی پنجایات جینے کی	″
چھٹنیں	— چھٹنیں پنجرے سے چھوٹے اور بڑے پنجرے میں آگئے ہیں .	صفحہ ۴۲
اجالا تاک کو نکلے، ہم بو	— اجالا تاک کو نکلے اندھیرے ہم بو چھپا گئے ہیں	″
اڑنگ مارین، دشمناں دے دیس	— مجھے اپنے اڑنگ مارین سہارے دشمناں دے دیس	″
الو کوک رین، ہور	— چمن میں میرے الو کوک رین ہور بلبلاں رو دین	″

شرم پکڑو	ذرا انسانیت پو تم رحم کھاؤ، شرم پکڑو۔	صفحہ ۴۲
اُدھلے	اُدھلے کو نے ہرنی کے ویسا اس میں کس ہونا	صفحہ ۴۴
اُنے دیکھی	نظر بھر کو اُنے دیکھی تو تپش سے دم نکل جانا	〃
باتاں کری تو	اُنے باتاں کری تو بلبلاں پٹ بولنا سن کو	〃
چپ کا چپ، گدگلی	ہنسی تو چپ کا چپ دل میں ہمارے گدگلی ہونا	〃
تلملی	پریشانی دِکھی اس کی تو ہم کو تلملی ہونا	〃
چھپک چھپک، بھُل کو	چلی چھپک چھپک تو موراں ناچ بھُل کو دیکھنا اس کو	〃
آنگ پو، ناکاں	بس اس کے آنگ پو نظروں کے ناکاں دیکھتے رہنا	صفحہ ۴۵
پھکی	چمک بجلی کی پھکی ہے اُنے جب مسکرائی تو۔	〃
کانیکو	تو بولی ڈھونڈنا کانیکوا دھر دیکھوں میں کیسی ہوں	صفحہ ۴۶
سگے	تمہارے جو بھی سگے ہیں بھیے ان کو بتالیونا۔	〃
اِتّی	میرے دھندے سے میرے کو اِتّی آمدانی ہے۔	〃
برگ بھرنا	تمہارے ساتھ میرے کو برگ بھرنا بھی مشکل ہے	〃
لیجا کو کھپا دالی	اُنے دکھ کو یہ دل میں ہم کو لیجا کو کھپا دالی	صفحہ ۴۷
گمت	میرے جینے کو میں گمت سمجھ کو نالتے جادوں	〃
عارس، کیسے بولتے سو نئیں	میرے عارس کو شرمانا کیسے بولتے سو نئیں	〃

پلکاں تو صفاچٹ —— ہے پلکاں تو صفاچٹ انکھیاں لگوں کے ویسے ہیں —— صفحہ ۴۷

کاچ —— ہے گلا تو کو بلو کاچ نلہ اس پو کلمر ہے —— صفحہ ۴۸

مگدر —— ذرا ہاتھوں کو دیکھوں پہلوانوں کے دو مگدر ہے —— "

ڈرر کو —— ذرا غصہ دکھا تو نوکراں چھپتے ہیں ڈرر کو —— "

اڑتیں تو، اڑا تیں —— خوشی میں جب اڑتیں تو انوں کانے جو اڑا تیں —— "

ککو آتیں —— محلے والے، میں ماروں کی کیا ہے کی ککو آتیں —— "

سنوارنے —— سنوارنے کے انوں جتنے بھی چیزاں ہیں منگاتے ہیں —— "

سنہ پو —— دکھا کو سہیلیوں کے سنہ پو یا کپڑوں پہ دکھتا ہے —— "

بدماشی —— یہ بدماشی کی حرکت کرکو دے دالی دنا ہم کو —— صفحہ ۴۹

ڈم پوٹلی، بسایا —— لا یا ڈم پوٹلی کو، بسایا اسے —— صفحہ ۵۰

کھیوے —— اس کو کھیوے کی ساڑی بھی چولی بنی —— "

پیذب، کُستی —— پاؤں پیذب بنے اور کُستی بنی —— "

اُدھلی ادھڑی —— ذرا اُدھلی اُدھڑی تو ہرنی کتے —— صفحہ ۵۱

دھپڑا، مائی ملا —— مجے دھپڑا بنایا جی مائی ملا —— "

دم پو دم —— دم پو دم اب دلا یا جی مائی ملا —— "

جاکو واں مرکو —— جاکو واں مرکو آیا جی مائی ملا —— "

نعمتی —— پاؤں نعمتی کے ویسا پکتی سو نئیں صفحہ ۵۲

دے کو کھنک دیبے —— جیتی دے کو مرد کو کھنک دیبے اُن صفحہ ۵۳

بلا —— کیا بلا کو بسایا جی مائی ملا ״

بجھواں بن کو —— خواہشاں بجھواں بن کو سینے میں ہے ״

وقت —— یہ وقت کیسا آیا جی مائی ملا۔ ״

کھٹکی، سرڑو —— ان کو کھٹکی سو دو سہنہ سرڑو رے خدا ״

توڑی، جھبڑو —— جینی توڑی سو ہاتھاں جھبڑو رے خدا ״

آنگ بو —— آنگ بوالنی سوجن چڑدو رے خدا صفحہ ۵۴

مرگنیں —— فکر کر کو جبنتا کی مرگنیں بہار ہے صفحہ ۵۵

گبرو زالے —— ہمارے بی لیڈر ہے گبرو زالے ״

سیوک، نزاجاں —— جنتا کے سیوک کے شاہی نزاجاں ״

کردیں علاجاں —— مرگئے سو مرداں کے کردیں علاجاں صفحہ ۵۶

مُلک —— دلوں کو بی ٹکڑے مُلک کے بی ٹکڑے ״

اجی کاں ہے جی ہو، یاں آؤ —— اجی کاں ہے جی ہو چھوڑ دو سب جلدی سے یاں آؤ صفحہ ۵۸

لیے کو آیوں، دیکھ کو جاؤ —— تمہارے واسطے کیا لے کو آیوں دیکھ کو جاؤ ״

کڑک دیش کیوں، پھڑک جانا —— کڑک دیش کیوں پھڑک جانا سنو کیا لے کو آیا ہوں ״

سلک جاتیں	یہ گرمیوں میں سلک جاتیں جی تم میرے کو یہ ڈر ہے	صفحہ ۵۹
نخ نخ کی تمارے	یہ نخ نخ کی تمارے کو زبردستی کی عادت ہے	"
نگوڑی	نگوڑی لپ اسٹک اور میں لگالوں اس بڑھاپے میں	"
صبوں سے شام لگ	صبوں سے شام لگ ان کے آوازاں ہم کو آتے ہیں	صفحہ ۶۰
ہونگے پن یہ کائی	تمیں لکھنؤ کے ہونگے، پن یہ کائی تو سرحد کی ہے	"
تمیں دکھنے کو جورو ہے	تمیں دکھنے کو جورو ہے طبیعت تو مرد کی ہے	"
غمچپ	میں غمچپ بیٹھ روں تو لیوانوں اسمان پو چڑ دیں	"
برو بر	برو بر تم میری جورو ہے میں جورو پکاروں گا	"
مڑی ہے دسن مڑی	میرے دل کی مڑی ہے دھن مڑی کیا بس پکاروں گا	"
کتے، بھوت	کتے ان کو یہ جورو بولنے سے بھوت نفرت ہے	"
کلبلی ہورئی	تمارا نام سونچا بس تو دل میں کلبلی ہورئی	صفحہ ۶۱
گدگلی	تمارا نام لینا سوچ رؤں تو گدگلی ہورئی	"
نغولی	یہ کل بوسی بولے تو پیار بھولوں سے نغولی ہے	"
بھنک دیئے	سنا ہوں جب سے یہ شعراں میری عقل بھنک دیئے	صفحہ ۶۲
واں پو، دھینا بھوت	جدھر مونگس ہے واں پو دھینا بھوت مشکل ہے	"
پھترے پانی پو ترایا رے	یہ ایلیوں کو ڈوبا کو پھترے پانی پو ترا لاکے	"

بھونی — ستائے اپنے بھونی کو ہر شاخ گل کو ڈالا ہے — صفحہ ۶۵

نوے لوگاں — نوے لوگاں، نوی عادت زمانہ بھی نیا آیا — 〃

دکھرائے — کیا اس کے ہونٹ پھٹ گئے تھے جو کانوں بوزبان دکھرائے — 〃

بھل جاؤ لکو، لکھ کو بیتیں — مجھے بھل جاؤ لکو لکھ کو بیتیں جیتی ہمیں ڈرائے — صفحہ ۶۷

مرسیتے — سنری صورت کی تعریفیاں کرا تو چپ مرسیتے تھے — 〃

جھبٹ — اشاروں پہ میری سینی کے جھبٹ کھڑکی میں آتے تھے۔ — 〃

سرا ڈالے — میں نہیں آیا تو ساری رات آنکھوں میں سرا ڈالے — 〃

صبوں سے شام لگ — صبوں سے شام لگ میرے خیالوں میں کھو کو تھے — صفحہ ۶۸

ہووین گورے، اُنوں ازماپ ہوگیں — ہووین گورے اُنوں ازماپ ہوگیں ان کے بروائے — 〃

اب لگ گول پورین — ہمیں ہوے تھے اب لگ گوں پورین بن کے دیوانے — 〃

سبی بول روں، پچارے — میں سبی بول روں تم کو یہ سیک اپ کے پچارے ہیں — 〃

ایسے کتا بھی گھورو — ایسے کتا بھی گھورو کو ستی نہ گالیاں دیتی — صفحہ ۶۹

مرتنگراکتے، تڑپٹ کتے — میں مرتنگراکتے تڑپٹ کتے کیا کیا کی ہوں بوے — 〃

کھیلاں لگاڈانا — ارے سیک اپ کے ڈبے تو میرے کھیلاں لگاڈانا — 〃

آکوراجاڈانا — بھری خوشیوں کی کھیتی کو میری آکوراجاڈانا — 〃

یوں ایچ — منڈے پو وہ جاتی ہماری بیل اچھا تھا — صفحہ ۷۰

بھگتنا	ـــــ نیا سال آیا بھگتنا ہے ہم کو	صفحہ ۷۲
کلاکو	ـــــ مٹی کلاکو اس کے دو پتلے بنا دیا	"
غلائے	ـــــ شیطان کے غلائے میں جب آ گیا آدمی	"
غانٹا	ـــــ غانٹا غلام تیرا وہ شیطان کا بچہ	صفحہ ۷۵
لُچاَ	ـــــ جنت میں کیسا آیا تھا مد معاش وہ لُچاَ	"
ارے ہوئے	ـــــ مرشد مجھے بولے ارے ہوئے یہ غلط ہے	"
بھیساں بدل کو	ـــــ بھیساں بدل کو سانپ کے پنجات میں ڈالا۔	"
کائی	ـــــ میں اردو ہوں، میری کائی کو، پھر دہراؤں کیسا میں	صفحہ ۷۶
سب جینے مل کو	ـــــ مسلماناں، عیسائی، ہندواں سکھ سب جینے مل کو	صفحہ ۷۷
وہ کو کاں دکی بولو	ـــــ زبان دانتوں کے پہروں میں بھی وہ کو کاں دکی بولو	"
بھوت سے بھوت، جاسکتوں	ـــــ بھوت سے بھوت ابھی بھاگ کو میں جا سکتوں	صفحہ ۷۸
بیگی	ـــــ کونسا تاج محل ہوتا ہے بیگی بولو۔	"
کدر	ـــــ ہم کدر اردو وہ مرمر کا کدر تاج محل	"
کنیکو نئیں	ـــــ تو پھر دنیا سے کنیکو نئیں نکالا تو ہمارا سا کو	صفحہ ۸۱
کاٹ دیئں ہلو	ـــــ سزا بھی کاٹ دیئں ہلو تھوڑی حور سے کر دیئں	"
سو کو نئیں اٹھا	ـــــ کوئی سو کو نئیں اٹھا تو بس کہ یو موت ہے	"

صاب	ڈاکٹر صاب میرے بازو کا آدمی کاں گیا	صفحہ ۸۲
ہو بھی	ڈاکٹر بولا کہ ہو بھی آپریشن ہو گیا	"
ئیں تیار رہو	کل تمارا آپریشن ہے ئیں تیار رہو	"
تھرکتیں ناچتیں	تھرکتیں ناچتیں ہم اور خوشی کے گیت گاتے ہیں	صفحہ ۸۵
کناری	کبھی تو پھول بنتا ہے کبھی تو تو، کناری ہے	"
سپنی	مرار جی بھائی کیں لنگڑے سپنی	صفحہ ۸۷
بڑائے اتا	بڑائے اتا سا سالہ تھو، تھو، تھو	"
تھنی تھنی	ہاتھ میں بنگڑیاں پہنو، ناچو تھنی تھنی	"
قصئی	براہم منتر جاکو بن گئیں قصئی	صفحہ ۸۸
تپنی	برا میز سمجھا تو نکلے تپنی	"
پیپنی	چرن سنگھ چپا لگا تیں پیپنی	"
بھچ	میرے آنکھ میں آنسو میرے دل میں ہے بھچ	صفحہ ۸۹
مادیں ہو ویں جاکو	میرے بچوں کو مادیں ہو ویں جاکو گورنز	"
آئی رے	دیکھتے دیکھتے چپ جھگڑنا آئی رے	صفحہ ۹۱
سپڑنا	چپ کا چپ آکو سپڑنا آئی رے	"
ڈس کو، بلالوں سونچ کو	ڈس کو گئے تو میں بلالوں سونچ کو	"

ٹاپے، کھڑنا ــــ ٹاپے گلی میں کھڑنا آئی رے — صفحہ ۹۳

نیں پواڑنا ــــ ان کا نیں نیں نیں پواڑنا آئی رے — "

گھپ اندھیرا ــــ قبر کے گھپ اندھیرے میں برگ بھروں میں کرنی کا — صفحہ ۹۴

منڈہ ــــ قبر پو بھیس کا منڈہ میں لائے تو کیا ہوتا — "

بنجالے ہورتاں ــــ بنجالے ہورتاں کر کو منکائے تو کیا ہوتا — "

بھسی بھسی، بھڑکانے ــــ دعا کو بھسی بھسی آہوں سے بھڑکائے تو کیا ہوتا — صفحہ ۹۵

چنڈول کے رتا، گھپا ــــ ہے دل چنڈول کے رتا بھربھی ارمانا ہے گھپا بھر — صفحہ ۹۶

بھوڑنانے بھانڈا، کھلی ہورئی ــــ بھوڑنانے بھانڈ الکوکیوں کی تل کھلی ہورئی — صفحہ ۱۰۱

ہوئیں گے سگوں کے خطاب، نیں تو ــــ ہوئیں گے سگوں کے خطاب نیں تو ان کی سیلیوں کے — "

بگلا، کھندل کو ــــ میرا بگلا دل کھندل کو چلے گئے — صفحہ ۱۰۳

بلانے، نگل کو ــــ بلانے نہ دوڑے نگل کو چلے گئے — "

سکڑ کو ــــ مرا دل سکڑ کو سڑ ہو گیا نا — صفحہ ۱۰۴

ڈھاگاں، دباباں جارئیں ــــ الوں ہم پر ڈھاگاں، دباباں جارئیں — "

دھول دیپے پو ــــ فقط دھول دیپے پو نل گئی بلا سب — صفحہ ۱۰۵

علموں پو غماں ــــ ابھی کیتے دیں گے علموں پو غماں تم — صفحہ ۱۰۶

گھڑ سنی، گپالے کو ــــ لگانے سامنے گھڑ سنی میں کپالے کو آیا ہوں — صفحہ ۱۰۷

مھاڑیوں، ڈھاتیں کی ــــــ مھاڑیوں کو میرے غم کے ڈھاتیں کی نئیں ڈھانیں کی صفحہ ۱۰۸

کھادیں جھکوے ــــــ انوں نے پھر کو غصہ میں کھادیں جھکوے صفحہ ۱۱۰

کنوے ــــــ انوں کھیر کے ساتھ کھادیں کنوے "

اڑجن ــــــ ہے اڑجن باپ اس کا، وہ گذر جاتا تو اچھا تھا صفحہ ۱۱۱

نچے ــــــ اسی سیکل کے نچے آکو مر جاتا تو اچھا تھا "

سرجاتا ــــــ وقت اب زندگی کا یونہی سرجاتا تو اچھا تھا "

سیندخانہ ــــــ بجلی ہے سکراہٹ، آنکھاں ہیں سیندخانہ صفحہ ۱۱۲

گھچ ــــــ وہ بلو کو دانتوں میں گھچ کو پکڑنا صفحہ ۱۱۵

برے وقتاں ــــــ جب لگ گئے برے وقتاں اپنے تو دوست بھی دشمن بن گئے تھے صفحہ ۱۱۷

دعن دیو ــــــ اللہ کی مرضی کیا کریئیں اب دعن دیو دعن کا نزدی ہے "

مھاڑیاں ــــــ مھاڑیاں، محلاں یہ کس کے واسطے صفحہ ۱۱۸

کلاٹ ــــــ میں بس بو ہوں کلاٹ وہ گوشے کی ہے بلی صفحہ ۱۱۹

دھندیو کٹیکو بل کھاریں ــــــ عیش انگلینڈ ڈن ہوئیں گے، تو دھندیو کٹیکو بل کھاریں صفحہ ۱۲۵

کٹمبایاں ــــــ سب کٹمبایاں کابن کی یاں کے منیٹن کے خلاف "

ککھو کھا ــــــ ککھو کھا نم دیئے رونے صرف دو انکھیاں دے نئیں صفحہ ۱۳۰

دھنڈی، حمایت اللہ کے کلام کی کل کائنات ہے یہ دکنی کا اہم ذخیرہ اس اعتبار سے قرار دیا جاسکتا ہے کہ اکیسویں صدی میں جب ہم نانو ٹکنیک استعمال کرتے جا رہے ہیں جو کہ بالکل عصری ایجاد قرار دی گئی چار سو سالہ قدیم زبان میں شاعری کی صبح سے شام کرنا حقیقتاً "جوئے شیر لانے کے برابر ہے اور حمایت اللہ نے دکنی زبان کے تیشے سے طنز و مزاح کی شاہراہ کو روشن کیا ہے بیسویں صدی میں دکنی شاعری کی حمایت اللہ آخری یادگار ہیں۔ ان کا مجموعہ "دھنڈی" اس اعتبار سے دکنی شاعری کی روایت کی ایک اہم کڑی قرار دیا جاسکتا ہے

باب پنجم

دکنی طنز و مزاح کے فروغ میں حمایت اللہ کا حصہ ، ان کا مقام

(اختتامیہ)

محمد حمایت اللہ کا نام حیدرآباد کی تہذیبی و ادبی دنیا میں اسم موسمی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمدردی، خلوص، وفاداری یا صلح کل پالیسی کے علمبردار، محبت اور یگانگت پر یقین کامل رکھنے والے اوصاف حمیدہ کی شخصیت کا نام حمایت اللہ ہیں۔ وہ ایک اچھے شاعر اور بہترین اداکار بھی ہیں۔ ان کی شاعرانہ خوبیوں کا ایک زمانہ نہ صرف معترف ہے بلکہ گرویدہ بھی ہے۔ حمایت اللہ نے اپنی شاعری اور اداکاری دونوں میں مزاح کو اپنایا۔ مزاح ان کی شاعری کا خاص وصف ہے حمایت اللہ نے دکنی شاعری کو اظہار کا وسیلہ بنایا اور دکنی زبان کے ساتھ طنز و مزاح کو اپنی شاعری کا جزو لازم قرار دیا۔ حمایت اللہ کی مزاحیہ شاعری و اداکاری کا اعتراف مشہور ڈرامہ نگار غلام جیلانی نے ذیل الفاظ میں کیا فرماتے ہیں

"مزاحیہ شاعری ہو یا مزاحیہ اداکاری، دونوں میں خداداد صلاحیت کے ساتھ حمایت کی غیر معمولی ذہانت کا بھی ثبوت ملتا ہے "چھوٹے نواب" کا کردار حمایت کے ذہن و دماغ کی تخلیق ہے

جوہر محفل میں ہر خاص وعام میں چھوٹوں اور بڑوں میں ہر جگہ بے حد
معقبول ہوا — اور جسکی گونج آج بھی باقی ہے"۔

غلام جیلانی کے اس بیان سے ہم حمایت اللہ کی ذہانت اور مزاح کی طرف ان کے میلان کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ حمایت اللہ نے صرف شاعری ہی میں مزاح کو اولیت واہمیت نہیں دی ہے بلکہ اداکاری میں بھی مزاحیہ انداز اپنایا۔

حمایت اللہ فطرتاً "زندہ دل انسان ہیں۔ ان کی سیرت میں زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہے وہ خود ہنستے ہیں اور دوسروں کو بھی ہنساتے ہیں۔ اور بڑی بات یہ کہ دوسروں کی کر خوش ہوتے ہیں۔ ویسے شوخی وظرافت ان کی شخصیت کے خاص پہلو ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حمایت اللہ بڑا حساس دل انسان ہیں۔

۱۹۴۸ء میں شہر حیدرآباد کو پولیس ایکشن کی صورت میں بہت بڑے عذاب کا سامنا کرنا پڑا ان میں بالخصوص مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ جسکی وجہ سے حیدرآبادیوں میں خاص کر مسلمانوں میں ڈر و خوف کی لہر دوڑ گئی مایوسی نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ جسکی وجہ سے یہاں کے لوگ ہنسنا تو کیا مسکرانا بھی بھول گئے تھے۔ ایسے حالات میں حیدرآباد کے زندہ دل نوجوانوں نے اپنے فن اور فن پاروں کے ذریعہ عوام میں جانگسل مایوسی، اداسی اور خوف کو نکال باہر کرنے کے لئے اپنے طور پر جہد مسلسل کی ان زندہ دل نوجوانوں میں ایک قابل ذکر نام حمایت اللہ کا بھی ہے۔ انہوں نے اپنے ساتھی نوجوان

کے ساتھ مل کر ایک ایسے ادارے کی بنا ڈالی جس کے ذریعہ بالخصوص طنز و مزاح اور بالعموم فنونِ لطیفہ کو فروغ دیا جائے۔ اس ادارے کو "فائن آرٹس اکیڈیمی" کے نام سے موسوم کیا گیا اس کے بانیوں میں اقبال قریشی، محمد یوسف اور حمایت اللہ کے نام ملتے ہیں۔ اس اکیڈیمی نے طنز و مزاح کو مقبول عام بنانے اور طنز و مزاح کے فروغ کی غرض سے ادارہ "زندہ دلان حیدرآباد" قائم کیا۔ اور اس ادارے کی ادبی نشستیں مزاح کے لئے مختص کردی گئیں۔ اس ادارے کے زیر اہتمام ابتدا میں چھوٹے پیمانے پر مزاحیہ مشاعروں کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ ان مزاحیہ ادبی نشستوں کی کامیابی نے ارباب مجاز کے حوصلہ کو جلا بخشی اور گزرتے زمانے کے ساتھ ساتھ اس ادارے کی مصروفیات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اور ١٩٨٥ء میں اس ادارے نے پہلی بین الاقوامی مزاحیہ کانفرنس کا اہتمام کیا جس کے نائب صدر محمد حمایت اللہ تھے۔

حمایت اللہ کا رجحان چونکہ مزاح کی طرف زیادہ تھا اور انہوں نے دکنی زبان کو اپنی فکر و خیال کے اظہار کا وسیلہ بنایا تھا جس کی وجہ سے مثبت صلہ ان کی ایک الگ شناخت بن گئی۔ حمایت اللہ نے نہ صرف "فائن آرٹس اکیڈیمی" اور "زندہ دلان حیدرآباد" جیسے ادارے قائم کرنے میں اہم حصہ ادا کیا بلکہ "زندہ دلان حیدرآباد" سے تعلق رکھنے والے مزاحیہ فنکاروں کے کلام کی اشاعت کی غرض سے شائع کیے جانے والا رسالہ "شگوفہ" کی بھی رہنمائی و رہبری کی بلکہ اس کی سرپرستی میں بھی پیش پیش رہے۔

۱۷۸۶ء میں منقطع ہونے والا دکنی شاعری کا سلسلہ ۱۹۱۸ء میں جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد دوبارہ شروع ہوا۔ جامعہ کے فارغ التحصیل زندہ دل گریجویٹس نوجوانوں نے فصیح اردو کو ذریعۂ اظہار بنانے کے بجائے عام دکنی زبان کو اپنی شاعری کا وسیلہ بنایا۔ اور مزاحیہ اسلوب کو اہمیت دی۔ ان زندہ دل نوجوانوں نے ایک بزم "بزمِ تمثیل" کے نام سے قائم کی جو کچھ عرصہ کافی مقبول رہی لیکن آہستہ آہستہ یہ بزم ماند پڑ گئی۔ اس بزم کا مطمعِ نظر بھی طنز و مزاح ہی تھا۔ اس بزم کے روحِ رواں معز الدین ملتانی تھے اس بزم کے ارکان کا رجحان مزاح کی طرف زیادہ تھا۔ یہ لوگ گھریلو محفلوں میں اپنے فنی مظاہرے پیش کیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ تک اس بزم کو مقبولیت حاصل رہی لیکن یہ بھی آہستہ آہستہ گمنامی کے اندھیروں میں کھو گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کئی ایسے شاعر منظرِ عام پر آ چکے تھے۔ جنھوں نے دکنی زبان میں شاعری اختیار کی۔ ان شعراء میں رحیم صاحب میاں، نذیر دہقانی، علی صاحب میاں، اعجاز حسین کھٹا، سرور ڈنڈا، گلی نلگنڈوی اور حمایت اللہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان لوگوں نے ایسی زبان کا احیا کیا جو اس زمانے میں ایک حقیر اور پسی زبان سمجھی جاتی تھی اور جو صرف بولی بن کر رہ گئی تھی۔

محمد حمایت اللہ نے اپنی شاعری کا آغاز ۱۹۵۰ء میں کیا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے انھوں نے دکنی زبان کو وسیلۂ اظہار بنایا۔ ان کی شاعری میں نہ صرف مزاح کی چاشنی ملتی ہے بلکہ طنز کے تیر بھی برستے نظر آتے ہیں حمایت اللہ نے خالص اور ٹھیٹ دکنی الفاظ

کو اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے۔ ان کی زبان حیدرآبادی دکنی زبان ہے۔ ان کے یہاں دکنی الفاظ کا صحیح لب ولہجہ اور صحیح تلفظ ملتا ہے۔ اس خصوص میں ڈاکٹر مصطفیٰ کمال فرماتے ہیں :-

> مصطفیٰ علی بیگ اور حمایت اللہ دکنی میں شعر کہتے ہیں۔ ان کی یہ شاعری بہت مقبول ہوئی۔ حمایت اللہ کی جداگانہ خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے جس لب ولہجہ میں شاعری کی وہ ایک خالص حیدرآبادی لب ولہجہ ہے حمایت اللہ نے حیدرآبادی دکنی کو اعتدال اور توازن کے ساتھ استعمال کیا ہے ان کی دکنی متوازن اور عام فہم زبان ہے وہ لفظ بہت کم ہے جو پرانے شاعر استعمال کرتے تھے یہ دکنی ایک طرح سے ہمعصر دکنی ہے۔ [۵۱]

حمایت اللہ کے پاس دکنی کا صحیح تلفظ ملتا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں تہذیبی اقدار کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمعصر شعراء کے برعکس تہذیبی اقدار کا پاس ولحاظ اور رکھ رکھاؤ ان کے یہاں بقدر اتم ملتا ہے۔ اس سے متعلق پروفیسر اشرف رفیع فرماتی ہیں۔

> دکنی کا صحیح تلفظ ان کے پاس ملتا ہے وہ ایسے مسائل پر لکھتے ہیں جن پر سنجیدہ شاعر قلم نہیں اٹھا سکتے۔ ان کی شاعری تہذیب سے گرنے

---

[۵۱] ڈاکٹر مصطفیٰ کمال سے شخصی انٹرویو بتاریخ ۳ جون ۲۰۰۲ء

نہیں پائی - ورنہ عموماً دکنی شعراء اور مزاح نگار تہذیب

کا خیال نہیں کرتے ان کے برعکس حمایت اللہ کے پاس، اخلاقیات

تہذیب اور زبان کا رکھ رکھاؤ ملتا ہے ان کے موضوعات متنوع ہے"[1]

حمایت اللہ کے کلام کو پڑھنے سے شگفتگی اور بے ساختگی کے ساتھ ساتھ مشاہدہ کی گہرائی اور ان کے فکری خلوص کا اندازہ بھی ہوتا ہے. اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے زندگی کے تلخ حقائق کو مزاح کے پیرائے میں سادہ اور عام فہم الفاظ میں بیان کیا ہے. اور خوبی یہ ہے کہ ان سادہ اور عام فہم الفاظ کے بین السطور گہرے معنی و مفاہیم پوشیدہ ہیں. ان کے اس وصف خاص کا بیان ڈاکٹر زینت ساجدہ نے ان الفاظ میں کیا ہے لکھتی ہیں :-

حمایت اللہ کے کلام میں شگفتگی کے ساتھ ساتھ بے ساختگی بھی ہے وہ زندگی کے اس عام مشاہدات اور تجربات سے اپنے موضوعات چنتے ہیں. اور ان کو پر مزاح انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ہر ایک کے لبوں پر مسکراہٹ سے قہقہے تک گدگدانے والی لہریں کروٹیں لینے لگتی ہیں. لیکن جوں ہی بات کانوں سے اتر کر دل تک پہنچتی ہے. ایک کرب کا احساس دلا جاتی ہے. زندگی کی ناہمواریاں، ناقدریاں، تصنع اور انسانیت کی توہین کرنے

---

[1] ڈاکٹر اشرف رفیع سے شخصی انٹرویو ۵ مئی ۲۰۰۲ء

والی کتنی ہی باتیں ہمیں آگاہ کرتی ہیں کہ ہمارے ماحول میں سب
کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اچھا مزاح نگار وہی ہے کہ وہ صرف ہنسنے ہنسا
نے والی باتیں نہ کرے بلکہ زندگی کی بے جا باتوں کی طرف توجہ دلائے۔
اپنے عیوب پر ہنسنے کے علاوہ ان کی اصلاح کرنے کی طرف بھی مائل
ہو۔ یہ کام خشک پند و موعظت سے زیادہ پر لطف انداز میں
بہتر طریقے سے انجام پاتا ہے۔" ۵۱

حمایت اللہ کی شاعری میں طنز و مزاح کے ساتھ فکر کی گہرائی بھی ملتی ہے حمایت اللہ نے دکنی زبان میں تشبیہات و استعارات اور محاوروں کو بہت خوبصورتی سے برتا ہے جسکی وجہ سے ان کی شاعری میں ندرت پیدا ہوگئی ان کی اس انفرادیت کا ذکر کرتے ہوئے غلام جیلانی کہتے ہیں۔

"حمایت نے فطرتاً ایک ستھرا ادبی ذوق پایا ہے ان کی شاعری میں
مزاح اور طنز کے ساتھ فکر کی گہرائی بھی ملتی ہے۔ کئی ادبی استعاروں
اور تشبیہات کو انہوں نے دکنی زبان کی چاشنی کے ساتھ بڑی خوبی
سے ادا کیا ہے۔ مزاحیہ شاعری میں حمایت اپنا ایک خاص اور
منفرد مقام رکھتے ہیں۔" ۵۲

حمایت اللہ کے کلام کی منفرد شاعرانہ خصوصیت کے متعلق ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کہتی ہیں :-

---

۵۱ ڈاکٹر زینت ساجدہ — تو دکنی ہے پیارے تو دکنیچ بول — صفحہ ۲۸

۵۲ غلام جیلانی سے شخصی انٹرویو — ۲۷ مئی ۲۰۰۲ء

"حمایت کی شاعری میں بے ساختگی ہے، آمد ہے، اور دلوں کو چھو لینے
والی کیفیت ہے۔ ایسی بات کہتے ہیں جو سادہ ہی لیکن دل کو چھو لیتی
ہے یہ حمایت اللہ کا سب میں منفرد انداز ہے"۔ ۵۸

حمایت اللہ کی شاعری میں دکنی زبان کا فطری پن موجود ہے ان کی زبان تصنع اور بناوٹ سے پاک ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں دکنی الفاظ کو توڑ موڑ کر استعمال نہیں کیا بلکہ الفاظ کے صحیح رکھ رکھاؤ کو ملحوظ رکھا ہے۔ دکنی الفاظ کا صحیح تلفظ اور ان کا صحیح استعمال ان کے یہاں ملتا ہے ان کی شاعری میں مزاح کے ساتھ طنز بھی موجود ہے انہوں نے بظاہر سادہ الفاظ کو اشعار میں سمویا ہے لیکن ان عام فہم اور سادہ لفظوں کے پیچھے بہت ہی تلخ حقائق پوشیدہ ہے۔ زندگی کے تلخ حقائق کو حمایت اللہ نے سادہ اور عام فہم پیرائے میں اس خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ بظاہر وہ بہت ہی پر مزاح اور شگفتہ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی گہرائی میں طنز کے ایسے تیر موجود ہیں جو سیدھے دلوں میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ ان کی اسی شاعرانہ خوبیوں کی بنا پر مصطفیٰ کمال نے انھیں بیسویں صدی کی دکنی شاعری کا مستند شاعر قرار دیا ہے۔ اور ان کی شاعرانہ مہارت کا بیان ان لفظوں میں کیا ہے کہتے ہیں۔

حمایت اللہ بحیثیت شاعر آج کی دکنی شاعری کے مستند شاعر ہیں انھوں
نے دکنی الفاظ کا صحیح تلفظ اور استعمال بالکل فطری انداز میں کیا ہے
ان کے مختصر کلام میں یہ بات ہر جگہ نظر آتی ہے۔ ان کے پاس حیدرآباد

---

۵۸ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ سے شخصی انٹرویو ۲۲ مئی ۲۰۰۲ء

دکن کی زبان ملتی ہے۔ اس میں یکسانیت ہے تصنع نہیں۔ صحیح دکنی بولنا اور لکھنا جو سب کے بس کی بات نہیں .... حمایت اللہ حیدرآبادی تہذیب کا پروردہ شخص ہے اسی لئے ان کے پاس حیدرآبادی زبان کا فطری پن اور بے تکلفانہ انداز نہ صرف اداکاری میں ہے بلکہ شاعری میں بھی نظر آتا ہے"۔ لہ

حمایت اللہ ہر اعتبار سے دکنی طنز و مزاح کے پروردہ شخص ہیں۔ ان کی شاعری ہو کے اداکاری ہر فن پر ان کے خاص اسٹائل کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ ڈاکٹر اشرف رفیع کہتی ہیں :۔

اپنے لب ولہجے اور اسٹائل کی وجہ سے دیگر دکنی شاعروں میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ یہ مقام ان کے شعر پڑھنے کے انداز نے بھی عطا کیا ہے۔" ٢ہ

حمایت اللہ دکنی کو خاص انداز میں پڑھتے بھی بہت خوب ہیں۔ جبکی وجہ سے کسی بھی مشاعرہ میں پڑھی گئی ان کی نظم کو نہ صرف شوق و ذوق سے سنا جاتا ہے بلکہ انھیں داد بھی خوب ملتی ہے۔ ان کی نظمیں اتنی پرتاثیر ہوتی ہیں کہ لوگ سننے کے ساتھ ساتھ اسے یاد بھی کر لیا کرتے' پروفیسر رحمت یوسف زئی ان کی اس خوبی کے سلسلے میں کہتے ہیں :۔

حمایت اللہ کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے خالص دکنی زبان میں

لہ مصطفیٰ کمال سے شخصی انٹرویو ۱۰ جون ۲۰۰۲ء

٢ہ اشرف رفیع سے شخصی انٹرویو ۵ مئی ۲۰۰۲ء

نظمیں لکھی حیدرآباد کے مشاعروں میں جب یہ نظمیں پیش کی جاتی تھی تو ۔۔۔۔ ہر شخص کی زبان پر چڑھ جاتی تھی انہوں نے اپنی نظموں میں مذاق ہی مذاق میں ایسے نکات چھیڑے ہیں۔ جن سے روح کے تار جھنجھنا جاتے ہیں ان کی نظم "نانی اماں کلیا ہے کی کیا نئیں کی" اس کی ایک عمدہ مثال کہی جا سکتی ہے۔" ۵۱

حمایت اللہ کے شاعرانہ خصوصیات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شاعری کے آغاز کو نصف صدی گزر جانے کے باوجود ان کی شاعری کو نہ صرف پسندیدگی سے سنا جاتا ہے بلکہ اس میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہا ہے یہ امر ان کی شاعرانہ خصوصیات اور ان کی فکر و خلوص کی سچائی کی دلیل پیش کرتا ہے۔

حمایت اللہ موجودہ دور کے دکنی شعراء میں اپنے لب ولہجہ طرز ادائیگی خالص دکنی الفاظ کے استعمال الفاظ کا فطری پن ملحوظ رکھتا ہے اور صحیح تلفظ کو برتنے کی وجہ سے اپنی ایک منفرد شناخت بنائے ہوئے ہیں یہ شناخت اس وقت اہم بن جاتی ہے جب دکنی لہجہ دن بدن روبہ زوال ہے دکنی طنز و مزاح کے فروغ میں حمایت اللہ کا بڑا اہم حصہ رہا ہے انھوں نے صرف "فائن آرٹس اکیڈیمی اور زندہ دلان حیدرآباد" جیسے فنی اور ادبی اداروں کی رہنمائی و رہبری کی بلکہ دکنی شعراء و فنکاروں کو ایک plate form پر جمع کرنے کا اہم ترین فرض بھی نبھایا جس کی وجہ سے حیدرآباد (اردو دکنی)

---

۵۱ پروفیسر رحمت یوسف زئی سے شخصی انٹرویو ۱۰ اپریل ۲۰۰۲ء

تہذیب وثقافت طنز ومزاح کو بین الاقوامی سطح پر شہرت حاصل ہوئی ۔

کسی بھی فن کار کے فن اور کارنامے کو جانچنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہم اس فن کار کے عہد کی حیثیت اور پس منظر کا مطالعہ کریں۔ آج حیدرآباد امن وامان کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ لیکن ۱۹۵۰ء میں تلنگانہ تحریک اور ۱۹۴۸ء کے قیامت خیز واقعات سے گزرنے کے بعد کوئی حساس نوجوان فنونِ لطیفہ کی بلندی اور منتشر معاشرے میں ٹوٹتی ہوئی ہمتوں کو سہارا دینے کے لئے کسی ادارے کے قیام میں معاون بنتا ہے تو یہ اس نوجوان حساس فنکار کا ایک بڑا کارنامہ گردانا جائے گا۔ حمایت اللہ نے ۱۹۵۰ء میں جب حیدرآباد اپنی چار سو سالہ مشرقی تہذیب کے شیرازے بکھر جانے کی اور ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک کا ایک حصہ بن جانے کے موقع پر اپنی معاشی پریشانیوں کو بھول کر اپنے خاندان کے بحران کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اجڑے ہوئے شہر کے باسیوں کو آباد کرنے کے لئے اور غم کی گھپ اندھیری راتوں کو قلقل مینا بنانے کا کام انجام دیا۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا یہ صحیح ہے کہ بھاگوامتی کے جلسے ہو یا فائن آرٹس اکیڈیمی قائم کرنے والے بزرگ اصحاب ان میں نوجوان حمایت اللہ کی پرعزم آواز بھی شامل تھی۔ بھاگوامتی کے جلسوں ہی سے حمایت اللہ نے اپنی شاعری کا آغاز کیا اور اپنی فنی زندگی کی پہلی نظم اسی ادارے کے ایک جلسے میں سنائی تھی۔

حمایت اللہ کی شاعری پر بات کرتے ہوئے اس عہد کے سیاسی اور معاشی وتہذیبی بحران کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ سوچا جانا چاہیئے کہ حمایت اللہ کی موجودگی میں سنجیدہ

شاعری کے بجائے مزاحیہ شاعری داغ اور مصحفی کی اردوئے معلیٰ کے بجائے دکنی زبان کو منتخب کرنے کا معرکہ خیز کیوں کیا۔!!

نوجوان شاعر حمایت اللہ کا دکنی زبان میں شعر کہنے کا فیصلہ یقیناً شعوری رہا ہوگا یہ بھی صحیح ہے کہ نذیر دہقانی، اعجاز حسین کھٹا، علی صاحب میاں اور سرور ڈنڈا کے کلام کی شہرت تھی لیکن دکن کا المیہ یہ تھا کہ ۱۹۴۸ء میں مملکت آصفیہ کے ختم ہوتے ہی نذیر دہقانی، اور کھٹا نے پاکستان ہجرت اختیار کی، سرور ڈنڈا کی شاعری مزاحیہ ضرور ہے دکنی نہیں. علی صاحب میاں یقیناً دکن کے اس عظیم سانحہ کے بعد حیدرآباد میں موجود تھے اور بڑے طمطراق سے دکنی میں شاعری کئے جارہے تھے. ایسے میں حمایت اللہ کی آواز بلند ہوتی ہے۔ ع "تندانا تانا تانا"

اس تناظر میں حمایت اللہ کا یہ فیصلہ کے دکن میں شاعری کی جائے اور مزاح کو اسلوب بنایا جائے اس لحاظ سے قابل تحسین گردانا جائے گا کہ اگر وہ دکنی میں شاعری اختیار نہ کرتے تو آج باون سال بعد ہم جیسے اردو کے معمولی طالب علم دکنی کے صحیح لب ولہجہ سے یکسر نابلد ہوتے.

حمایت اللہ کا یہ کارنامہ کے انھوں نے اکسویں صدی میں دکنی لب ولہجہ کو برقرار رکھا نہ صرف قابل تحسین ہے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے جیسا کہ استاذ الاساتذہ ڈاکٹر زینت ساجدہ نے لکھا ہے کہ حمایت اللہ سے ان کے کلام کو ریکارڈ کروانا چاہیئے تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے دکنی کا یہ خالص لب ولہجہ محفوظ ہوجائے۔

شاعری وجدان کی رہنمائی کے بعد اختیار کی جاتی ہے شاعر اپنے فکر اپنے گداز قلب اور اپنے دیدۂ بینا کی بنا پر انفرادیت حاصل کرتا ہے ایسے شاعر جو اپنی زبان میں منفرد ہوتے ہیں اپنی زبان میں اہم حصہ ادا کرتے ہیں ان کا کلام ان کا فن اس زبان کے ارتقاء کا ضامن ہوتا ہے. ایسے شاعر یا ایسے فنکار بڑے یا عظیم فنکار ہوتے ہیں. لیکن چند ایسے فنکار بھی ہوتے ہیں جو بڑے فنکار تو ہوتے ہی ہیں لیکن وہ اپنی ذات میں ایک انجمن بھی ہوتے ہیں ان کا فن ارتقاء پذیر ہی نہیں ہوتا ان کے کارنامے بھی زمانے کے ساتھ ساتھ (اگر صحیح معنوں میں ہوں) ارتقاء پاتے ہیں اور شہر و ملک کی تہذیب و ثقافت میں اہم حصہ ادا کرتے ہیں ایسے ہی فنکار اپنی ذات اور اپنے فن سے اوپر اٹھ کر اداروں کو قائم کرتے ہیں اپنی زندگی میں انھیں پروان چڑھاتے ہیں اور ان کی جڑوں کو تہذیب و ثقافت میں اتنی گہرائی تک لے جاتے ہیں کہ فن کار کی زندگی کے بعد بھی وہ فن کے ارتقاء کو اس کی سرپرستی سنبھالتے رہتے ہیں ایسے فن کار عظیم ترین ہوتے ہیں۔

حمایت اللہ کی زندگی اور ان کے فن کا جب ہم بغور مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے اہل سماج ہی میں "فائن آرٹس اکیڈیمی" اور "زندہ دلان حیدرآباد" کے قیام میں حصہ ادا کرتے ہوئے اور ——

دکنی کو نہ صرف شاعری کا وسیلۂ اظہار بناتے ہوئے دکنی طنز و مزاح کے فروغ میں اہم اور منفرد حصہ ہی ادا نہیں کیا بلکہ ان اداروں کا قیام ان کی زندگی کے بعد بھی دکنی طنز و مزاح کو جاری و ساری کریگا۔ یہ حمایت اللہ کا ایک اہم کارنامہ ہے. جسے میرے تحقیقی کام کی رو سے دیکھا جائیگا اور اس کارنامے کو سدا یاد رکھا جائیگا۔

کتابیات

تصانیف غیر مطبوعہ

(۱) بشیر النساء بیگم — معز الدین ملتانی شخصیت اور فن — سنہ اشاعت مارچ ۱۹۹۰ء

(۲) شائستہ رفعت — دکنی شاعری کے فروغ میں علی صاحب میاں کا حصہ — دسمبر ۱۹۹۸ء

(۳) عزیز ابرار — شگوفہ کی ادبی خدمات — ـــــ

(۴) نسیم الدین فریس — نالگو برادران

تصانیف مطبوعہ

(۱) آکسفورڈ پریس — اکسفورڈ ڈکشنری لندن

(۲) ابن نشاطی — پھول بن

(۳) انور کمال — فن اور تنقید

(۴) انیسہ سلطانہ — حیدرآباد میں طنز و مزاح کی نشو و نما — سنہ اشاعت ۱۹۸۶ء

(۵) برہان الدین جانم — ارشاد نامہ، مرتبہ اکبر الدین صدیقی۔ — سنہ اشاعت ۱۹۸۶ء

(۶) حسن شوقی — میزبانی نامہ

(۷) حمایت اللہ — دھنتڑی — سنہ اشاعت دسمبر ۲۰۰۱ء

(۸) سلیمان اطہر جاوید — تنقیدی افکار بار اول — 〃 〃 جون ۱۹۷۷ء

(۹) سلیمان خطیب — کیوڑے کا بن

(۱۰) سیدہ جعفر — دکنی رباعیاں — 〃 〃 ۱۹۹۲ء

(۱۱) شفیعہ قادری — حیدرآباد کے علمی و ادبی ادارے — 〃 〃 ستمبر ۱۹۸۲ء

(۱۱) عبدالستار دلوی — دکنی اردو — سن اشاعت ۱۹۸۷ء

(۱۲) عظیم الدین محبت — مملکت آصفیہ

(۱۴) غالب — دیوانِ غالب

(۱۵) غواصی — طوطی نامہ

(۱۶) لچھمی نارائن شفیق — چمنستان شعرا مرتبہ عبدالحق۔ " " ۱۹۹۲ء

(۱۷) محمد قاسم فرشتہ — تاریخ فرشتہ جلد اول مترجمہ عبدالحق " " ۱۹۸۳ء

(۱۸) معزالدین ملتانی — گھوکرد کے کانٹے

(۱۹) مقیمی — چندر بدن و ماہیار

(۲۰) ملا نصرتی — علی نامہ

(۲۲) ملا وجہی — قطب مشتری مرتبہ حمیرہ جلیل " " ۱۹۹۶ء

(۲۳) نصیرالدین ہاشمی — دکن میں اردو پہلا اڈیشن " جنوری، مارچ ۱۹۸۵ء

(۲۴) ہاشمی بیجاپوری — دیوانِ ہاشمی مرتبہ ڈاکٹر حفیظ قتیل ۱۹۶۱ء

رسالے

(۱) شگوفہ — مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال — جون ۱۹۷۳ء

(۲) شگوفہ ڈرامہ نمبر — مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال

(۳) شگوفہ — مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال — نومبر ۱۹۷۸ء

(۴) شگوفہ — " " — مارچ ۱۹۸۵ء

(۵) شگوفہ — " " — دسمبر ۱۹۸۷ء

(۶) شگوفہ — " " — جولائی، اگست ۱۹۹۰ء

(۷) شگوفہ دیڑھ سالہ رسالہ نمبر — " "

(۸) شگوفہ سالنامہ — " " — جنوری ۱۹۹۷ء

اخبارات

(۱) پاکستان لنک — ۱۹۸۵ء، ۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء

(۲) روزنامہ سیاست — مئی ۱۹۸۷ء، ۱۹۹۳ء

(۳) روزنامہ منصف — یکم نومبر ۱۹۸۹ء

انٹرویوز

(۱) ڈاکٹر اشرف رفیع — ۵ مئی ۲۰۰۲ء

(۲) جہاندار افسر — ۱۵ اپریل ۲۰۰۲ء

(۳) حمایت اللہ — ۷ مارچ ۲۰۰۲ء

(۴) پروفیسر رحمت یوسف زئی	۱۰ اپریل ۲۰۰۲ء
(۵) ڈاکٹر رشید موسوی	۱۲ اپریل ۲۰۰۲ء
(۶) رفیعہ سلطانہ	۲۶ مئی ۲۰۰۲ء
(۷) ڈاکٹر زینت ساجدہ	۱۶ مئی ۲۰۰۲ء
(۸) غلام جیلانی	۲۷ مئی ۲۰۰۲ء
(۹) مصطفیٰ کمال	۳ جون ۲۰۰۲ء
(۱۰) مظفر الدین سعید	۱۵ اپریل ۲۰۰۲ء

Department of Urdu,
School of Humanities,
University of Hyderabad,
Hyderabad 500 046

Date :30/07/2002

This is to certify that I, **RAFATH UNNISA** have carried out the research embodies in the present dissertation entitled **"DECCANI MEIN TANZ-O-MIZAH: MOHD. HIMAYAT ULLAH KE KHUSUSI HAWALE SE"** (Humour & Satire in Deccani with special reference to Mohd. Himayat Ullah) for the full period prescribed under M.Phil. Ordinances of the University.

I declare to the best of my knowledge that no part of this dissertation was earlier submitted for the award of research degree of any University.

(Signature of the Candidate)

Rafath

Name : RAFATH UNNISA
Enrolment No: 01HUHL02

(Signature of the Supervisor)
(DR. HABEEB NISAR)

30/7

Head, Department of Urdu

अध्यक्ष/Head
उर्दू विभाग/Department of Urdu
हैदराबाद विश्वविद्यालय
University of Hyderabad
हैदराबाद-500 046

Probal D. 31/7

Dean, School of Humanities

DEAN
SCHOOL OF HUMANITIES,
University of Hyderabad.
Hyderabad-500 134

DECCANI MEIN TANZ-O-MIZAH : MOHD. HIMAYAT ULLAH KE KHUSUSI HAWALE SE
(Humour & Satire in Deccani with special reference to Mohd.Himayat Ullah)

DISSERTATION

Submitted to the University of Hyderabad in partial fulfillment of the requirements for the award of the Degree of

MASTER OF PHILOSOPHY

in

URDU

Submitted

by

RAFATH UNNISA
M.A

Supervisor

DR.HABEEB NISAR
Lecturer, Dept. of Urdu
University of Hyderabad

DEPARTMENT OF URDU,SCHOOL OF HUMANITIES
UNIVERSITY OF HYDERABAD
HYDERABAD
2002